فروری 2010ء

مجموعہ مقالات

تدریب المعلمین

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا **مشرف علی تھانوی** دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ۔ لاہور

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 5422213، 5433049

Marfat.com

Marfat.com

مجموعہ مقالات

تدریب المعلمین

14,13 فروری 2010ء

جلد اول

مرتب: مفتی محمد اکرم کمبوہ
ایم اے، ایم فل پنجاب یونیورسٹی

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
291 کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 5422213، 5433049

DATA ENTERED

Marfat.com

نام کتاب: مجموعہ مقالات (تدریب المعلمین)

مرتب: مفتی محمد اکرم کمبوہ

ناشر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

تعداد: ۱۱۰۰

سن اشاعت: جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

297.04
م 33 ج
141422

ملنے کا پتہ:

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن۔ لاہور

فون نمبر: 042-5422213-5433049

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

﴿فہرست﴾

نمبر شمار	موضوع	مقرر	صفحہ
1	تعارف ومقاصد پروگرام تدریب المعلمین	حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب	11
2	ابتدائیہ پروگرام تدریب المعلمین	مولانا قاری ڈاکٹر احمد میاں تھانوی صاحب	19
3	تعلیم اور اس کے تقاضے	ڈاکٹر محمد الغزالی صاحب	31
4	فقہ واصول فقہ کی تدریس کا مثالی طریقہ	مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب	59
5	محققانہ اندازِ تدریس کی اہمیت وضرورت	حضرت مولانا یوسف خان صاحب	99
6	نعمت مدارس واکابر سے تعلق	مولانا محمد اشرف علی صاحب	123
7	اکابر اساتذہ کا طرزِ تدریس	حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب	133
8	وقت کی بہتر تنظیم اور اس کا استعمال	مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب	141
9	تعلیمی نفسیات و تعلیمی جائزہ	پروفیسر حافظ محمد یونس صاحب	165
10	فقہی مسالک کا اختلاف نوعیت اور اسباب وعلل	ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب	191

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

معلمی کار نبوت ہے۔یہ کام جتنا اہم ہے، اتنا ہی حساس اور مشکل بھی ہے۔
تدریس بلاشبہ ایک فن ہے، جس کے اپنے اصول وآداب ہیں۔ایک کامیاب استاد کے لئے وسعت معلومات کی جو اہمیت ہے، اتنی ہی اہمیت ان معلومات کو طلباء کے سامنے ایک مرتب اور ماہرانہ انداز میں پیش کرنے کی ہے۔

علوم اسلامیہ کی تدریس اور اسکی تربیت کا آغاز عہد نبوی سے ہوتا ہے۔مثلاً:
ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان سے ایک تنازعہ کا فیصلہ کروایا۔فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے فیصلہ کی تفصیل عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے بہت اچھا کیا۔"

اسی طرح ایک مرتبہ ایک آدمی نے آکر اپنا خواب بیان کیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خواب کی تعبیر بیان کی۔اور پوچھا کہ میں نے ٹھیک بیان کیا یہ کوئی غلطی ہوئی......؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"کچھ ٹھیک بیان کیا اور کہیں غلطی بھی ہوئی ہے۔"

(ملاحظہ ہو: الرسول المعلّم واسالیبہ فی التعلیم از عبدالفتاح أبوغدۃ)

تعلیماتِ رسول کی روشنی میں تعلیم و تربیت کا سلسلہ قرونِ اولیٰ سے لے کر تاحال مختلف مناہج واسالیب کے ساتھ جاری ہیں اوران شاء اللہ جاری رہے گا۔

دینی مدارس کے نظام تعلیم میں چند ایسی خوبیاں موجود ہیں، جن کی بناپر ایک سنجیدہ طالب علم کی تدریسی تربیت دوران تعلیم ہی ہوتی رہتی ہے۔

البتہ وقت گزرنے کے ساتھ اور رفتار زمانہ تیز ہوجانے کے علاوہ قویٰ میں کمی آجانے اور پہلے جیسی ریاضت نہ رہنے کی بناپر عرصہ سے نومنتخب اور کم تجربہ کار اساتذہ کے لیے "تدریب المعلمین" کی ضرورت انفرادی اور اجتماعی سطح پر محسوس کی جاتی رہی

Marfat.com

ہے۔ تاکہ نومنتخب معلمین اکابر اساتذہ و مشائخ، ماہرین فن اور ماہرین تعلیم کے تجربات اور مشاہدات کو کام میں لاتے ہوئے مؤثر مدرس اور مثالی استاذ کے اوصاف سے بہرہ ور ہوسکیں۔

بنابریں جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ نے عملی صورت اختیار کرتے ہوئے ایک قدم یہ اٹھایا کہ اپنے فضلاء کو تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں بطور معاون مدرس عملی مشق کروانا شروع کی جو ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ اکابرین جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ نے فیصلہ کیا کہ ''تدریب المعلمین'' پروگرام کو منظم و مربوط کیا جائے اور اس کے دائرہ کار کو وسیع کرتے ہوئے دارالعلوم کے اساتذہ کے ساتھ دیگر مدارس میں درس نظامی پڑھانے والے اساتذہ کو بھی شرکت کا موقع فراہم کیا جائے۔ چنانچہ 13،14 فروری 2010ء کو ہونے والے پہلے باقاعدہ پروگرام میں لاہور شہر کے دس مدارس کے اساتذہ کو اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

اس پروگرام میں مندرجہ ذیل جید علماء کرام اور ماہرین تعلیم نے سامعین کو اپنے گراں قدر علمی تجربات سے روشناس کرایا۔

۱) حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب
نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۲) حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب
مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

۳) حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب
نائب مہتمم و رئیس قسم القراءات جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

۴) حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب
مہتمم جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا

Marfat.com

۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی صاحب
صدر شعبہ علوم اجتماعیہ و پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

۶) حضرت مولانا اشرف علی صاحب
مہتمم جامعہ محمودیہ سرگودھا

۷) حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

۸) پروفیسر حافظ محمد یونس صاحب
ڈائریکٹر پی ایم یولٹریسی پروگرام پنجاب

۹) مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب
شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۰) ڈاکٹر مولانا محمد میاں صدیقی صاحب
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۱۱) ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب
ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

مذکورہ ماہرین نے اپنے مقالات میں استاذ و شاگرد کی ذمہ داریاں، تعلیم و تربیت کے تقاضے وطریقے، مثالی طرق تدریس، تعلیمی نفسیات، وقت کی بہتر تنظیم اور اس کا استعمال اور دیگر اہم موضوعات پر مفید معلومات فراہم کیں۔

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے حکم کے مطابق حضرت قاری احمد میاں تھانوی کی سرپرستی و راہنمائی میں ان گراں قدر مقالات کو تحریری شکل دے کر مقالہ نگار حضرات سے نظر ثانی کروانے کے بعد افادہ عام کی غرض سے طبع کیا جارہا ہے۔

تاہم ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر اپنی تقریر کی نظر

Marfat.com

ثانی نہیں کر سکے اس وجہ سے ان کی تقریر اس کتابچہ میں شامل نہیں کی جا سکی۔ ان شاء اللہ آئندہ ہونے والے پروگرام (12 جون 2010ء) کی تقاریر کے ساتھ ان کی تقریر کو بھی طبع کیا جائے گا۔

اپنے جملہ اساتذہ بطور خاص عارف باللہ شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی اور رئیس قسم القراءات و نائب مہتمم حضرت قاری احمد میاں تھانوی کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں جن کی ذاتی دلچسپی اور قدم قدم پر رہنمائی سے یہ پروگرام منعقد ہوا اور طباعت کے مراحل سے گزر کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچا۔

دعا ہے کہ مولائے کریم اکابرین جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کو جزائے خیر عطاء فرمائے، پروگرام کے انعقاد اور کتاب کی تیاری میں حصہ لینے والے تمام رفقاء کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

محمد اکرم کمبوہ

مدرّس جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

Marfat.com

تعارف ومقاصد

پروگرام

تدریب المعلمین

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

تاریخ 13-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میں اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا چاہتا صرف تھوڑا سا تعارف کروانا چاہتا ہوں!

آج جو چیز ہمارے لیے المیہ بنی ہوئی ہے، ایک تو یہ کہ طلباء کی استعداد تو کمزور ہوتی جارہی ہے، اور دوسرا بڑا المیہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے یہ دباؤ ڈالا گیا کہ ان کو عصری علوم پڑھائے جائیں، عصری علوم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یقیناً مفید ہیں اور ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ میں ایک بات کہا کرتا ہوں کہ عصر کے بعد مغرب جلدی آتی ہے، جب آدمی عصری علوم کی طرف جاتا ہے تو مغربیت اس پر مسلط ہوجاتی ہے، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ عصری علوم پڑھنے والے کہیں مغربی تہذیب کو نہ اپنالیں، اور مغربیت ان پر مسلط ہوجائے، کیونکہ عصر اور مغرب کے درمیان کا فاصلہ بہت کم ہوتا ہے، اسی لیے ڈر لگتا ہے، اس معاملے میں جو پریشانی ہمارے سامنے تین سال سے چل رہی ہے، میں وفاق المدارس کے ہر اجلاس میں شریک ہوتا ہوں اور اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے لیکن وہ ابھی تک لاینحل ہے ابھی تک اس کا کوئی حل نہیں نکلا، اللہ کرے اس کا کوئی مظبوط مستحکم نظام مرتب ہو اور پھر اس پر کام کیا جائے۔

دارالعلوم اسلامیہ کے اندر آج اس پروگرام کا اصل مقصد یہی ہے، یہ تدریب المعلمین کے لیے کوئی نصاب اور نظام مرتب کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ابتدائی درجہ اور ایک چھوٹی سی تمہید ہے، اگر ہم اس طرح چلتے رہے اور آئندہ بھی

Marfat.com

اس طرح کے اجلاس کرتے رہے اور ماہرین کو اس کے اندر دعوت دیتے رہے تو شاید کسی مرحلے میں پہنچ کر دو چار سال کے بعد کوئی کامیابی حاصل کرسکیں، اس لیے آج کے اس اجلاس کو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اور یہ بھی نہ سمجھیں کہ یہ نشستند و گفتند و برخاستند ہے، بلکہ یہ ایک بہت بڑی تمہید ہے پیش خیمہ ہے اس کام کے لیے جو آئندہ ایک عرصہ میں جا کر مکمل ہوگا، سب سے بڑی بات جو ان حضرات نے آپ کے سامنے رکھی کہ جب استاذ کتاب سمجھا ہی نہ ہو تو وہ اس کو سمجھائے گا کیسے؟ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالسمیع دارالعلوم میں استاذ تھے آپ ایک دفعہ سلم پڑھا رہے تھے تو سلم میں کسی جگہ تقریر فرمائی اور سبق میں تقریباً ۳۵، ۴۰ طلباء تھے، تقریر کرنے کے بعد ان سے پوچھا کہ بھائی تم سمجھ گئے؟ طلباء کے اندر یہ عادت ہے آپ کو معلوم ہے کہ ان میں اکثریت گردن ہلانے کے سوا ان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا، یہ میں ویسے ہی نہیں کہہ رہا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ استاذ الحدیث ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ترمذی کا سبق پڑھا رہے تھے ترمذی کی عبارت نسخہ کی غلطی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آئی تو فرمایا کہ بھائی میرے یہاں تو نسخہ میں یہ لکھا ہوا ہے کسی اور کے نسخہ میں کوئی اور عبارت شاید ہو، بھائی تم اپنا نسخہ دکھانا، ایک کی کتاب دیکھی، دوسرے کی کتاب دیکھی کئی کتابیں دیکھیں تو ایک ہی عبارت نظر آئی اس لیے کہ وہ ایک ہی ادارے کی چھپی ہوئی تھیں، تو فرمایا کہ نہیں بھائی کسی اور مکتبے کا چھپا ہوا نسخہ ہو تو وہ دکھایئے، ایک طالب علم اپنی کتاب اٹھا کر لے گیا وہ کتاب اٹھا کر ان کے سامنے رکھی، اور مولانا حیران ہیں اور اس کو یہ کہہ رہے ہیں کہ بھائی تم اس کتاب میں پڑھتے ہو روزانہ؟ اس طالب علم نے کہا کہ جی، تم روزانہ یہی کتاب لے کر

Marfat.com

آتے ہو؟ اس نے کہا جی، اور مطالعہ بھی اسی کتاب سے کرتے ہو؟ اس نے کہا جی اس کتاب سے مطالعہ کرتا ہوں ارے اللہ کے بندے یہ تو شمس بازغہ ہے، تو ترمذی کا سبق شمس بازغہ میں پڑھتا ہے۔ وہ شمس بازغہ اٹھا کر لاتا ہے، اور لے کر چلا جاتا ہے، تو طلباء کا یہ حال ہوتا ہے، تو حضرت مولانا عبدالسمیعؒ نے طلباء سے پوچھا کہ بھائی تم سمجھ گئے؟ تو انہوں نے حسب عادت گردن ہلائی کہ جی سمجھ گئے، فرمایا کہ مہملوتم کیا سمجھے ابھی تو میں بھی نہیں سمجھا کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟

تو استاذ کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ جو سمجھا ہے وہی کچھ سمجھائے گا، اگر وہ کتاب کو صحیح سمجھ کر پڑھا رہا ہے تو وہ پھر صحیح سمجھائے گا، اگر وہ خود بھی نہیں سمجھا تو وہ سمجھا کیسے سکے گا، جیسے ابھی مفتی صاحب نے یہ جملہ نقل کیا کہ برتن میں سے تو وہی کچھ نکلے گا جو کچھ اس کے اندر موجود ہے، اندر کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ تدریب المعلمین کے لیے اب ہمارے ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ حکومت نے محکمہ تعلیم بنایا، اور محکمہ تعلیم کے لیے انہوں نے تربیت کے لیے ایک نظام بنایا، انہوں نے سی ٹی، بی ٹی اور اس کے بعد بی ایڈ اور ایم ایڈ یہ سارے نظام بنائے ان نظاموں کے اندر ان کے ہاں ہر سال میٹنگز ہوتی ہیں اور ان کے اندر یہ تدریب المعلمین ہوتا ہے، انہوں نے یہ تعلیم کا نظام سمجھنے کے لیے اور پڑھانے کے لیے باقاعدہ ایک نظام بنایا ہوا ہے، جو آدمی وہ کورس کرتا ہے وہ پڑھا سکتا ہے اور جو آدمی وہ کورس نہیں کرتا وہ نہیں پڑھا سکتا، بہرحال میں اس بات کو بالکل نظرانداز نہیں کرتا وہ طریقہ کار بھی اپنی جگہ مفید ہے۔

اگر ہم اس طریقہ کار کو سمجھ کر ہم اس طرف نہ جائیں، اپنے اوپر مغربیت طاری نہ کریں، مگر ہم اس سے فائدہ اٹھالیں تو شاید ہمارے لیے کوئی بہتر نتائج نکل سکیں گے، اس لیے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ نظام بالکل غلط ہے وہ نظام اپنی جگہ پر صحیح

Marfat.com

ہے، لیکن ہمیں اس نظام کو سامنے رکھ کر اس نظام کے ماہرین سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے، لیکن یہ سوچ کر نہیں کہ ہم ان ماہرین نظام کو بلا کر اس نظام میں اپنے آپ کو آگے لے جائیں، بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ اس نظام میں خوبیاں کیا ہیں؟ اور اس نظام میں قباحتیں کیا ہیں؟ جو اس میں خوبیاں ہیں وہ ہم اپنے نظام میں لے آئیں اور جو قباحتیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچائیں۔

خذ ما صفا دع ما كدر اس لیے کہ اگر خالصتاً اس نظام سے وابستہ پروفیسروں کو دعوت دی جاتی تو میرے نزدیک اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا، اس سے مفید چیزیں، مفید راستے مفید طریقہ حاصل کرنے کے لیے اگر ان کو دعوت دی جاتی تو یہ بھی میرے نزدیک کوئی بری بات نہیں تھی، لیکن الحمدللہ ہمیں اس کی احتیاج نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے پاس ایسے افراد کی ایک بہت بڑی کھیپ اور جماعت موجود ہے جو اصولی طور پر ہمارے پورے درس نظامی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح ماہر ہیں اور پھر اس کے بعد عصری علوم کے ذریعے تربیتی اور تدریبی نظام کو سیکھ کر تدریب المعلمین کو سیکھ کر انہوں نے اس میدان کے اندر بھی اپنا لوہا منوایا ہے اور الحمدللہ اس کے باوجود کہ وہ ایک عرصہ ان سے وابستہ رہے، الحمدللہ ان کے اس علم پر استدلال اور استنباط میں کوئی کمی نہیں آئی، اس لیے میں اگر کچھ لوگوں کے نام لوں تو آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آج آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے درس نظامی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے لیکن وہ جدید علوم سے اور جدید اصطلاحات سے بخوبی واقف ہیں، نہ صرف حاصل کرنے کے بعد ان کو اپنے یہاں نافذ کر رہے ہیں اس طرح کے افراد ہمارے پاس کم نہیں ہیں، ابھی آپ کے سامنے ڈاکٹر یوسف فاروقی تشریف لائے تھے، یہ کون ہیں؟ آپ کو تعجب ہوگا، ڈاکٹر سن کر

Marfat.com

آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، یا کوئی ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہوں گے، یہ آدمی دینی طالب علم ہے درس نظامی کا فاضل ہے، دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے فارغ ہیں، دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں عرصہ دراز تک پڑھاتے رہے ہیں، اور سکھر کے مدرسہ میں بھی پڑھاتے رہے ہیں، اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کے شاگرد ہیں اس کے بعد پھر یہ اس طرف آئے ہیں، اور الحمدللہ اس طرف آنے کے بعد بھی انہوں نے اپنا لوہا وہاں منوایا ہے، لیکن ان کے عقائد کے اندر اور ان کے نظریات میں الحمدللہ کوئی تبدیلی نہیں آئی، ہمارے پاس ایک دو آدمی نہیں بلکہ پوری کھیپ موجود ہے، اس لیے یہ چیزیں سیکھنے کے لیے ہم ان پروفیسروں و ڈاکٹروں کے محتاج نہیں ہیں، جو خالصتاً دنیاوی علوم اور دنیاوی نظام سے وابستہ ہیں ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس ایسے حضرات موجود ہیں، ابھی جو دوسرے ہمارے مہمان ڈاکٹر محمد غزالی، آپ نے نام سنا ہوگا ڈاکٹر محمود غازی جو وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان رہے ہیں، بہت بڑے عالم ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں وہ بھی دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے پڑھے ہوئے ہیں اور بڑے لوگوں کے شاگرد ہیں یہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں، ان کی عربی زبان اس درجہ کی ہے کہ عربوں کو ان پر رشک آتا ہے، عربی زبان بولنے پر لکھنے پر ترجمتین پر اتنا عبور حاصل ہے کہ عربوں کو رشک آتا ہے، اردو بولتے ہیں تو یہ ان کی مادری زبان ہے لیکن عربی بھی ایسی بولتے ہیں جیسے ان کی مادری زبان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو درس نظامی کے اندر بھی ایک عبور عطاء فرمایا ہے کیونکہ ان کو ایک ماحول ایسا ملا ہے جس کا ان پر اثر ہوا ہے لیکن میں آپ کو ضمانت دے رہا ہوں، یہ لوگ وہ ہیں جو راسخ العقیدہ ہیں یہ آپ کے سامنے وہ اصلاحات رکھیں گے، جن کو سمجھنے کے لیے ہمیں اُن ماہرین تعلیم کو بلانا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے پاس ایسے افراد

Marfat.com

موجود ہیں۔

مجھے امید ہے کہ دارالعلوم ایسی تقریبات بار بار منعقد کرے گا ، اور دارالعلوم دوسرے اداروں کے معلمین کو دعوت دے گا ، اور اس طرح ہم اور آگے بڑھیں گے ،ایک دن عین ممکن ہے کہ انشاء اللہ آپ تدریب المعلمین کا ایک نصاب مقرر کریں کیونکہ آپ نے اس کو شروع کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ وفاق آئندہ آپ سے کہے کہ آپ کوئی ایسانظام مرتب کریں اس لیے میں ان لوگوں کا شکرگزار ہوں کہ وقت دیا اور تشریف لائے ،اور آپ سے بھی یہ گزارش کروں گا کہ آپ اس کو انتہائی توجہ سے سنیں ، انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ابتدائیہ

پروگرام

تدریب المعلمین

مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی
نائب مہتمم ورئیس قسم القراءات
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

تاریخ 13-02-2010

بمقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

ابتدائی کلمات

(الدکتور قاری احمد میاں تھانوی)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ،
﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ صدق اللہ العظیم

تربیت اساتذہ اور وقت کی معیاری تنظیم کی اہمیت ہمارے قدیم اساتذہ کے پیش نظر لازمی طور پر رہی ہے۔ یہ آج سے تقریباً ۴۲ سال پہلے کی بات ہے کہ ہم نے طحاوی شریف مولانا عبید اللہ صاحب سے پڑھی تھی مولانا سبق کے وقت درسگاہ میں تشریف لاتے اور پوچھتے کہ سبق کہاں سے ہوگا؟ کتاب کھولتے اور فرماتے کہ ہاں کل کا سبق کون بیان کرے گا؟ پھر کسی طالب علم کی طرف اشارہ کرتے کہ تم سناؤ، وہ پہلے گزشتہ سبق کا خلاصہ سناتا پھر حضرت آج کے سبق کا خلاصہ دو تین منٹ میں بیان فرماتے پھر اس خلاصے کی تفصیل، پھر کسی طالب علم کو عبارت پڑھنے کا کہتے، وہ عبارت پڑھتا رہتا اور حضرت عبارت کے ساتھ ساتھ بتاتے رہتے کہ میں نے فلاں بات جو کہی تھی وہ اس عبارت سے نکل رہی ہے۔ عبارت کے بعد حضرت پھر دوبارہ سبق کا خلاصہ بیان فرماتے جو پہلے خلاصہ سے ذرا تفصیلی ہوتا اور ہمیشہ سبق گھنٹہ ختم ہونے سے سات منٹ پہلے ختم ہو جاتا۔ سبق کے ساتھ ساتھ کوئی لطیفہ، چٹکلہ، کوئی مذاق یا شعر بھی سنا دیتے یہی وجہ ہے کہ چالیس، پینتالیس سال بعد بھی وہ باتیں اب تک یاد ہیں۔ مثلاً کسی نے جاریہ (باندی) کا مسئلہ پوچھ لیا تو مزاحاً فرماتے کہ اچھا جاریہ کا مسئلہ تو یاد آ گیا جاری کا کیوں نہیں آیا۔ ان لطائف سے مہتمم اور طلباء کے درمیان بعد اور فاصلہ ختم کر دیتے

Marfat.com

کسی طالب علم کے ہاتھ میں کوئی کاپی دیکھ لی اس پر لکھا ہوا شعر پڑھ کر کہتے کہ میں بھی تمہیں اسی طرح کا شعر سناؤں؟ یہ ان کا ہمیشہ کا معمول تھا۔

شروع سے میرے فرائض تدریس میں تین مضمون ہیں (۱) متن شاطبیہ (۲) علم الرسم یعنی رائیہ (۳) اجراء قراءات۔ پہلے سالوں میں میں تنظیم نہ کرسکا تو شاطبیہ یا رائیہ نامکمل رہ جاتی بعد میں میں نے ہر مضمون کے لیے ہفتے میں دو دن مقرر کر لیے اس طرح اب تمام مضامین بآسانی مکمل ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ میں نے اپنے اساتذہ کے پیش نظر یہ بات دیکھی کہ وہ گھنٹہ ختم ہونے سے پانچ منٹ پہلے اپنا سبق ختم کر دیتے تاکہ طلباء پر گرانی نہ ہو کہ آج سبق ختم نہیں ہوگا یا ان کا دوسرا سبق متاثر نہ ہو۔ اسی طرح طلباء کی استعداد کے موافق ان پر بوجھ ڈالا جائے۔ بعض حضرات سبق کی تشریح، توضیح میں تقسیم صحیح نہیں کرتے شروع سال میں تو بڑا مدلل و مفصل بیان کیا کہ ایک صفحہ پر ہفتہ لگا دیا اور پھر آخر سال میں آخری صفحوں میں پہنچے تو عبارت بھی پڑھنے کی نہ رہی۔ اس لیے سال کے لحاظ سے نصاب اور کتاب تقسیم کر لینی چاہیے اس میں یہ بات پیش نظر رہے کہ سال چار حصوں میں تقسیم کر لیں کتاب کے لیے تین حصے مقرر کیجیے اور ایک حصہ بچا کر رکھیے تاکہ کوئی ناگہانی حادثہ پیش آجائے تو اس فارغ حصے کو بھی استعمال میں لایا جاسکے۔ اور آپ متاثر نہ ہوں۔ جب سے ہم نے یہ بات طے کی کہ ۱۲ ربیع الاول تک نصاب اس نہج تک پہنچانا ہے تو اس کے بعد کوئی مشکل پیش نہیں آرہی کیونکہ چھ مہینے پہلے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں وقت ہمارے امتحان ہیں لہٰذا نصاب اس وقت تک اتنا ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا نصاب اور وقت کی تنظیم کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

۱۶۱۴۲۲

Marfat.com

دارالعلوم کا مختصر تعارف:

ہم اپنے مدرسہ دارالعلوم میں تین نظامہائے تعلیم ایک ساتھ لے کر چل رہے ہیں۔ دراصل برصغیر میں مدارس کی تقسیم دو حصوں میں تھی۔ اگر کوئی مدرسہ درس نظامی پڑھاتا تو تجوید وقراءات کا اس میں اہتمام نہ ہوتا اور اگر تجوید و قراءات کا اہتمام ہوتا تو درس نظامی نہ ہوتا، اس لیے ہر دو طبقہ ایک دوسرے کے علم سے نابلد تھے اور یہ برصغیر کا سیاہ ترین دور تھا کہ قاری سے اگر کوئی مسئلہ معلوم کرلیا جائے تو اس کو بالکل معلوم نہ ہوتا عالم سے قرآن کی ادائیگی کا پوچھ لیا جائے تو وہ بھی نہ بتاسکتا اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۸۳ء میں مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں دونوں تعلیموں کو یکجا کیا گیا اس کے بعد عصری تقاضوں کے پیش نظر سکول کا اجراء بھی کیا گیا اور یہ تعلیم ہم نے درس نظامی اور تجوید کے طلباء کے لیے لازمی کی۔ تجوید وقراءات اور درس نظامی کے اس امتزاج کو دارالعلوم کراچی میں بھی پسند کیا گیا وہاں بھی قسم القراءات قائم کیا گیا۔ اس وقت الحمدللہ تقریباً ۱۰۰ سے زیادہ طلباء درس نظامی اور قراءات ساتھ ساتھ پڑھ رہے ہیں اور وہاں تخصص فی القراءات کا بھی اجراء کیا گیا گزشتہ سال سے یہ سلسلہ وہاں جاری ہے اس اعتبار سے دارالعلوم الاسلامیہ اور دارالعلوم کراچی یہ دو منفرد ادارے ہیں۔ اسی طرح ہم نے پہلے لاہور بورڈ سے دارالعلوم الاسلامیہ ہائی سکول کے نام سے باقاعدہ رجسٹریشن کروائی پھر ہائیر سیکنڈری سکول کی رجسٹریشن کروائی۔ الحمدللہ یہ شرف بھی دارالعلوم کو حاصل ہے کہ یہاں کے بعض اساتذہ بیک وقت تینوں کام سرانجام دے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ سے اس بات کی کمی محسوس کی جارہی تھی کہ تدریب الاساتذہ کا

Marfat.com

اہتمام کیا جائے اور جدید تقاضوں اور جدید طرق تدریس کو بروئے کار لا کر بہتر سے بہتر نتائج حاصل کیئے جائیں کیونکہ دنیا اس وقت گلوبل ویلج بن چکی ہے منٹ منٹ کی خبر دنیا بھر میں پھیل رہی ہے اس لیے تیز ترین آلات کا استعمال طریقۂ تعلیم میں نہایت ضروری ہے۔ دار العلوم الاسلامیہ نے اساتذہ کی تربیت و تعلیم کے لیے لائبریری، کمپیوٹرز اور ایسے سافٹ ویئرز کا اہتمام کیا ہے جس میں موجود سینکڑوں اور ہزاروں کتابوں تک رسائی آپ کے صرف ایک انگلی کے اشارے سے ہوسکتی ہے۔ جو ورق جو صفحہ جس موضوع پر چاہیں آپ رسائی حاصل کر سکتے ہیں اگر چہ یہ سافٹ ویئر تمام اساتذہ اور طلباء کی گرفت میں نہیں لیکن الحمد للہ بعض اساتذہ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

ہر چیز کے منافع بھی ہیں اور مضار بھی۔ جس طرح ایک چُھری، کسی کا گلا بھی کاٹ سکتی ہے۔ اسی طرح وہ جانور ذبح کرنے میں بھی استعمال ہوسکتی ہے، تو کمپیوٹر کے منافع بھی ہیں اور اس کے مضار بھی ہیں۔ جہاں دنیا میں اس کے نقصانات سامنے آئے ہیں وہاں تعلیم کا حصول اور تعلیم کا نظام اور باہر کی دنیا کی بہت سی معلومات بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔

الحمد للہ اس قسم کے سافٹ ویئر آ چکے ہیں جو ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ ریال کے ہوں گے ان میں ہر موضوع پر ہزارہا کتب علوم القرآن الحدیث وغیرہ تک رسائی حاصل کرنا آسان ہوگیا ہے۔ آپ ایک لفظ پر کلک (Click) کریں گے تو آپ کے سامنے سینکڑوں احادیث کی کتب کھل کر سامنے آجائیں گی کہ یہ لفظ فلاں فلاں جگہ موجود ہے۔ علوم القرآن نہایت پیچیدہ علم تھا لیکن ایسے سافٹ ویئر بھی آگئے ہیں جن سے قراءات متواترہ وشاذہ ان کا لہجہ واداء تک معلوم کی جاسکتی ہے تدریس الاساتذہ

Marfat.com

میں ان چیزوں کا استعمال بھی ایک اہم شعبہ ہے، میں نے آج سے ۱۲ سال پہلے مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ وفاق المدارس کے تحت اس طرح کا کوئی نظام ہونا چاہیے لیکن آج تک میری یہ گزارش قبولیت کے مرحلے تک نہیں پہنچی یہ وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے کیونکہ انگریزی تعلیمی اداروں میں ابتداء درجے کے اساتذہ سے لے کر انتہاء درجے تک کے اساتذہ کے لیے تربیت کا نظام موجود ہے لیکن درس نظامی کے اساتذہ کے لیے برصغیر میں اس کا کوئی اہتمام نہ ہو سکا۔ پچھلے دنوں ہمارے دوست ڈاکٹر امین صاحب نے اور اسی طرح اسلام آباد میں پالیسی انسٹیٹیوٹ والوں نے اس کے لیے خاصی کاوشیں کیں لیکن کوئی مربوط نظام قائم نہ ہو سکا۔

آج نظام بدل رہا ہے پہلے یہ ہوتا تھا مائیں بچے کو استاذ کے پاس لے کر آتیں تو کہتیں کہ ہڈیاں ہماری اور چمڑی آپ کی لیکن آج نفسیات کو سمجھنے کا دور ہے کیونکہ اب بچے کے سامنے اپنے مقصد کے علاوہ بچے کی دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ اخبارات ورسائل یا ٹیلی ویژن، کھیل، ان سب کو بچے نے وقت دینا ہوتا ہے۔ اور پہلے اساتذہ کتابوں کے حافظ تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض اساتذہ کافیہ کے حافظ تھے لیکن آج کے دور میں یہ ممکن نہیں آج تحقیق، تالیف، تصنیف اور کاپی سے استفادہ کا دور ہے۔ پہلے طلباء اساتذہ کی بات کو مکمل اعتماد اور پورے اہتمام سے سنتے تھے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید آلات کو بھی زیر استعمال لایا جائے، کمپیوٹر، بلیک بورڈ، وائٹ بورڈ اور جہاں ضرورت ہو لیپ ٹاپ کا استعمال بھی کیا جائے۔ لوگ اس کو اگر شیطانی کاموں میں استعمال کر رہے ہیں تو آپ اس کو دینی کام میں استعمال کریں۔ آپ حیران ہوں گے کہ جب ہم نے مصحف عثمانی کو اپنے اس لیپ ٹاپ میں دیکھا تو ایک دم ساکت رہ گئے ہماری نظر

Marfat.com

اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن اس جدید طریقے نے چند لمحوں میں قدیم ترین نسخہ قرآن ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا۔

یوں ایک مربوط نظام شروع کیا جائے تاکہ درس نظامی کی تدریس میں ہونے والی کوتاہیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

ہمیں درس نظامی، اس کی تعلیم، تدریس، قراءات عشرہ کی تعلیم وتدریس و تربیت کے سلسلے میں تدریب المعلمین کے پروگرام کی مکمل تاریخ نظر آتی ہے۔

درس نظامی کا تعارف:

بنیادی طور پر یہ نظام ملا نظام الدین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ملا نظام الدین کا دور ۱۱۰۵ھ سے ۱۱۶۱ھ تک کا ہے ان کے والد ملا قطب الدین کو شہید کردیا گیا یہ سہالہ کے باسی تھے اس لیے سہالوی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں والد کی شہادت کے بعد یہ لکھنؤ کے قریب ایک جگہ ہے فرنگی محل وہاں آکر آباد ہوگئے وہاں انہوں نے تعلیم بھی مکمل کی اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں تدریس کا آغاز کیا۔ اور ایسی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا انہوں نے اپنے نصاب تعلیم میں علم الصرف، نحو، بلاغت، معانی، فلسفہ، منطق، حکمت، حساب، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور اصول تفسیر جیسے علوم شامل کیے اور تین صدیوں سے یہ نظام اب تک برصغیر میں چل رہا ہے اسی نظام پر دیوبند، سلہٹ، ڈھاکہ، چٹاگام اور نواکھالی میں مدارس کا قیام عمل میں آیا، اس سے ذرا اور پیچھے جائیں تو ہمیں اصحاب صفہ کا تعلیمی مرکز نظر آتا ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی تربیت بھی کرتے تھے اور تزکیۂ نفس بھی لیکن آج نہ تزکیۂ نفس رہا اور نہ ہی تربیت اس لیے اب وہ نفوس قدسیہ نظر نہیں آرہے۔ ان مدارس نے علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ

Marfat.com

الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ ظفر احمد عثمانی جیسے افراد پیدا کیئے جن کے بارے میں مؤرخ کہتا ہے کہ یہ شاید ۵۰۰ برس قبل کے افراد کا کوئی تتمہ ہے اور حضرت عثمانی نے ۱۸ جلدوں پر مشتمل اعلاء السنن جیسی مدلل و محققانہ کتاب لکھی کہ جس کی مثال پیش کرنا بھی حیران کن ہے یہ سب نفوس اسی وجہ سے قدسی بن گئے ان میں ہر کسی نے تربیت و تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا اہتمام کیا اور کسی نہ کسی شیخ سے وابستہ رہے کیونکہ اعلیٰ درجے کی سوچ و فکر رکھنے والے اگر کسی شیخ کے پاس چلے جاتے ہیں تو کندن بن جاتے ہیں جیسے حضرت سید سلمان ندوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت تھانوی نے چلتے ہوئے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس نے میری زندگی بدل کر رکھ دی فرمایا کہ مولوی صاحب اپنے آپ کو جتنا بھی مٹاؤ گے اتنا ہی کامیاب ہوگے۔ کہتے ہیں کہ پہلے میری یہ ساری زندگی اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں گزری تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ اصل رفعت تومن تواضع للہ رفعه اللہ میں ہے۔

خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت اصول و ضوابط کے ساتھ ساتھ تعلق مع اللہ، اخلاص وللٰہیت اور اپنے کام کے ساتھ جنون کی حد تک قلبی لگاؤ ہونا ضروری ہے۔ اپنے موضوع کے ساتھ اور تلامذہ و طلباء کے ساتھ دلچسپی ہونا ضروری ہے۔ رات ہی میں ملا قطب الدین کے متعلق کتاب میں پڑھ رہا تھا کہ آخری زمانے میں بیمار ہو گئے تھے تلامذہ ملنے آتے تو بار بار ان کو گھر لے جانا پڑتا تو فرمانے لگے کہ مجھے گھر والوں کے ساتھ رہنا مقصود نہیں بلکہ مجھے باہر ہی کسی جگہ لٹا دو تا کہ میرے تلامذہ بلا کسی روک ٹوک ملنے آسکیں۔

اسی طرح والد صاحب (مفتی جمیل احمد تھانوی) کا بھی آخری دنوں میں یہی حال تھا کہ مجھے مظاہر العلوم لے چلو، جامعہ اشرفیہ لے چلو، مولوی شبیر علی کے

Marfat.com

پاس لے چلو ان کی سب بیٹیاں بیٹے سامنے موجود ہیں لیکن ان کا دل مولوی شبیر علی میں اٹکا ہوا ہے یہ تھا ان لوگوں کا اپنے علم کے ساتھ گہرا تعلق اور یہ ہمارے اسلاف تھے۔

ہمارا تعلق اپنی تعلیم و تعلم و تدریس سے محض ملازمانہ رہ گیا ہے جبکہ ہم نے اپنے اساتذہ کو دیکھا ہے کہ ان کے لیے وقت کوئی چیز ہی نہیں تھی، حضرت قاری فتح محمد صاحب کو جب میں نے قراءات عشرہ پڑھنے کی درخواست کی تو باوجود فالج اور ضعف و بیماری جبکہ اعضاء کام کرنا چھوڑ گئے تھے درخواست قبول کر لی اور ایسا شخص جو چلنے پھرنے سے بالکل معذور لیکن قلبی تعلق ایسا کہ ایک دن خادم کو ساتھ لیا اور میرے گھر پہنچ گئے دوپہر گیارہ بجے کا وقت تھا خادم نے دروازہ کھٹکھٹایا، ٹھک ٹھک میں نے پوچھا کون ہے؟ کہنے لگے کہ قاری فتح محمد صاحب تشریف لائے ہیں ملنے کے لیے۔شاگرد سے اس قدر تعلق کہ شدید علالت کے بعد بھی شاگرد سے ملنے جانا ہے۔

اسی طرح میں جب دورہ حدیث میں تھا، میں گھر میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھک میں لیٹے ہوئے ہیں والدہ سے پوچھا کہ یہ کون آیا ہے؟ کہنے لگیں کہ تمہارے استاذ صاحب آئے ہیں میں نے جا کر دیکھا تو میرے استاذ قاری عبدالعزیز شوقی صاحب تھے، میں نے جب کمرہ کھولا تو اٹھ کر بیٹھ گئے کہنے لگے کہ جی چاہ رہا تھا بہت دن ہو گئے ملاقات نہیں ہوئی۔

آج اس ارتباط کی ضرورت ہے جب یہ تعلق دوبارہ بحال ہو جائے گا تو رازی اور غزالی دوبارہ پیدا ہونے لگیں گے۔لہٰذا اساتذہ وطلباء کے درمیان ارتباط اور تعلق مع اللہ بنیادی شرط ہے اور اسی کے ساتھ ان نفوس قدسیہ سے تعلق رکھنا ہوگا تو نفوس قدسیہ پیدا ہوں گی۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

Marfat.com

اگر آپ کی مجالس بازار ہوں گے یا نشست و برخاست کے جلسے ہوں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مجالس بھی اسی طرح ناکارہ ہوں گی، آج اس بات پر تو زور ہے کہ مال کیسے آجائے گریڈ کیسے بڑھ جائے لیکن مشائخ کی مجالس کی طرف التفات نہیں۔ لاہور میں کون ہے جو یہ کہے کہ کوئی اللہ والا ہے کہ ہم اس کے پاس بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا سیکھ لیں؟ کوئی دلچسپی ہی نہیں لیکن گریڈ کی فکر ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں آج ہیں تو کل نہیں۔

؎ یہ تو چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معلم سب سے پہلے تو اپنے وقت کی تنظیم کرے اپنے اسباق کے لئے گہرا مطالعہ کرے طلباء کو ٹھوس اور جامع معلومات مہیا کرے اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات طلباء کو مہیا کرے طلباء کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرے، عفو و درگزر کا معاملہ کرے، اپنی اصلاح و تربیت کے لئے مشائخ کے ساتھ رابطہ کرے اسی طرح اپنے تعلیم و تربیت کے انہی اصول و ضوابط کو سیکھنے کے لئے یہ اجتماع منعقد کیا جارہا ہے اس وقت کو غنیمت جان کر خوب استفادہ کریں۔

بارك الله فی علمکم وعملکم

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تعلیم
اور
اس کے تقاضے

ڈاکٹر محمد الغزالی صاحب

صدر شعبہ علوم اجتماعیہ اسلامیہ

ایڈیٹر: مجلّہ الدراسات الاسلامیہ

پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

تاریخ: 13-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر محمد الغزالی

صدر شعبہ علوم اجتماعیۃ اسلامیۃ

ایڈیٹر: مجلہ الدراسات الاسلامیہ

پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم امابعد

اب یہاں میرے چار پانچ چچا موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے حکم کو ٹالنا ایک بھتیجے کے لیے جو کہ غریب الدیار بھی ہے بہت مشکل کام ہے۔ ورنہ میں اپنے کو ایک طالب علم ہی سمجھتا ہوں اور اس قابل نہیں ہوں کہ ایسے مجمع میں مستند لوگوں کے درمیان ایسی گفتگو کرسکوں جس کو آپ بہت اہمیت دے سکیں۔ لیکن کیونکہ میں ٹیچر رہا ہوں اور مختلف و متنوع تجربات سے گزرا ہوں، پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی اس لیے اس کی روشنی میں کچھ تجربات آپ کے ساتھ شئیر کرسکتا ہوں۔

مولانا مشرف علی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ عصر کے بعد مغرب ضرور آجاتی ہے تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر دل میں، قلب میں ضمیر اور شعور میں اللہ تعالیٰ کی محبت راسخ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ابتداء میں ہی قائم ہوجائے تو جو نقش اول ہے وہ بہت مضبوط اور گہرا ہوتا ہے پھر دنیا کی کوئی فکر کوئی نظریہ کوئی علم اس کے مقابلہ میں بچ نہیں سکتا اور ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اسلام اتنا کمزور نہیں ہے، نہ دین اتنا کمزور ہے نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اتنا کمزور ہے کہ کسی

Marfat.com

چھوٹی موٹی آندھی یا ہوا سے وہ اڑ جائے۔

ابوتمام کا ایک شعر ہے:

نقل فؤادك حيث شئت من الهوى　　　ما الحب الا للحبيب الاول

اتانی هواها قبل ان اعرف الهوى　　　وصادف قلبی فارغا فتمكنا

تو یہ جو حب الٰہی ہے جو اصل الاصول ہے دین، کا ایمان کا، عرفان کا، احسان کا، اور جو ہماری پوری زندگی کا جوہر اور خلاصہ ہے اگر وہ پیدا ہو جائے اور ہم اس کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر کوئی خطرہ انشاء اللہ نہیں اور جو ہمارے سلف گزرے ہیں انہوں نے بھی اپنے زمانے کے عام علوم سے استفادہ کیا تھا لیکن انہوں نے اس سے قبل جو ہدایت کے مآخذ تھے وہ اس ہدایت کے گہرے سمندر کے غواص تھے اور اس کے بعد پھر انہوں نے دنیا کو دیکھا اور سارے علوم کو چکھا اور پرکھا تو اصل بات یہ ہے کہ ہم پہلے اچھی طرح قرآن اور سنت کا علم اور اپنے جو علوم ہیں ان کا ذوق پیدا کریں ان کا شوق پیدا کریں۔ ان میں مہارت پیدا کریں۔ اس کے بعد کوئی خطرہ ہمیں نہیں ہے لیکن اگر یقین ہی کمزور ہو ایمان ہی کمزور ہو اور انسان احساس کمتری میں مبتلا ہو پھر اس کا بہکنا عموماً آسان ہوتا ہے۔ میں اس موقع پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اتنے اچھے مجمع کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع عطا فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی بڑی نسبتیں رکھنے والا ادارہ ہے اور اس کو بنانے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا خاندان شریک رہا ہے۔ اور یہ سب مجمع جو یہاں موجود ہے یہ ان کا روحانی خاندان ہے۔ بہت بڑے بڑے لوگ اس ادارہ سے وابستہ رہے ہیں۔

مجھے یاد آتا ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا خیال پیش کیا تھا اور وہ حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے تھے اور پاکستان بنانے والوں میں سے تھے۔

Marfat.com

حضرت حکیم الامتؒ کے متعلق جو اہل دین کہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ وہ مخفی نہیں ہے لیکن ہماری یونیورسٹی کے جو بانی تھے، میں ان کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں اور میں یہاں مسجد کے سامنے کھڑا ہوں میں کسی آدمی کی علمیت سے اپنی زندگی میں اتنا مرعوب نہیں ہوا وہ لوگ جو عصری علوم کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں ان میں بروہی صاحب بہت نمایاں ہیں اور میں نے ان کو برطانیہ میں امریکہ میں اور مختلف مقامات پر دیکھا اور مجھے اندازہ ہوا کہ علم کا رعب کیا ہوتا ہے علم کا وقار کیا ہوتا ہے۔ دنیا میں مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب میں جہاں دنیا بھر کے چوٹی کے فضلاء اور فحول جمع ہوتے ہیں ایسے علمی اجتماعات میں اسلام کا کلمہ بلند کرنا اسلام کی حقانیت کو واضح کرنا اور دین کی حقانیت کو ثابت کرنا بروہی صاحب مرحوم پر ختم تھا، میں نے بہت اہل علم لوگوں کو دیکھا ہے گذشتہ زندگی کے تقریباً چالیس سال گزارے ہیں پندرہ بیس ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ایسا نہیں کہ اہل علم کو نہ دیکھا ہو، تو حضرت حکیم الامتؒ کے بارے میں بروہی صاحب (بانی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی آف اسلام آباد) کہتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ میں نے آخری عمر میں حضرت حکیم الامتؒ کی تحریریں پڑھنی شروع کی ہیں اور مولانا نور احمد صاحب (مرحوم) نے جو مفتی شفیع صاحبؒ کے داماد تھے انہوں نے مجھے ان کی تصانیف کی جانب متوجہ کیا ہے اس کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ جو انہوں (بروہی صاحب) نے خواب میں دیکھا کہ کچھ سوالات ہیں جو انہوں نے حکیم الامتؒ کی خدمت میں پیش کیے ان کے وہ جوابات دے رہے ہیں اور بروہی صاحب مزید کچھ سوالات کر رہے ہیں تو وہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری فلاں کتاب میں دیکھ لو اس میں لکھا ہوا ہے۔ مولانا نور احمد صاحب سے ان کا رابطہ تھا ان سے ذکر کیا تو انہوں نے حضرت حکیم الامتؒ کی بعض تصانیف ان کو دکھائیں تو بروہی صاحب

Marfat.com

یہ کہتے تھے کہ مجھے تشویش اور اضطراب یہ ہے کہ میری زندگی تھوڑی باقی ہے اب میں نے ان کی کتابیں پڑھنی شروع کی ہیں اور وہ اتنی زیادہ ہیں کہ زندگی گزر جائے گی اور میں یہ سب پڑھ نہیں سکوں گا اور وہ یہ کہتے تھے کہ مشرق میں مغرب میں یورپ میں امریکہ میں اور پوری دنیا بھر کے فلسفہ فکر اور ادب اور قانون کے تو تھے ہی ماہر آپ نے سنا ہوگا کہ کئی دفعہ وزیر قانون رہے۔ پاکستان کے ہر دستور بنانے میں ان کا حصہ ہے۔ اتنی موٹی کتاب لکھی ہے جس کا نام فنڈا مینٹل لاء آف پاکستان ہے اور ان کی اتھارٹی مانی جاتی تھی، بین الاقوامی اتھارٹی اس کتاب کی مانی جاتی ہے تو وہ یہ کہتے تھے کہ کہیں میں نے فلسفہ یونان سے لے کر اور مشرق و مغرب شمال و جنوب تک کسی کے ہاں اتنا مضبوط استدلال نہیں دیکھا جتنا حضرت حکیم الامت کی تحریر و تقریر میں تھا۔ اور آخر میں بروہی صاحب صرف انہی کی کتابیں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ان کے بارے میں ایک جامع کتاب لکھوں گا لیکن انہیں موقع نہیں ملا اور تھوڑا وقت ہی اس کے بعد وہ زندہ رہے۔ ان (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) جیسے بے مثال مجدد اور حکیم کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ پاکستان پر، اسلامی علوم پر، برصغیر پر ان کے عظیم احسانات ہیں۔ تو اس سے ادارے کو نسبت ہے۔ اس ادارہ میں حاضر ہونا ایک بہت بڑا شرف ہے۔

اور پھر دوسری بات میں یہ عرض کروں گا کہ آپ حضرات میں سے غالباً اکثر معلم ہیں اور معلم ہونا ایک بہت بڑا منصب ہے آپ نے شاید وہ لطیفہ سنا ہوگا شاہجہان اور اورنگزیب کا۔ شاہجہان کو جب اورنگزیب نے قید کر دیا تھا تو اس زمانے کے بادشاہ بہت پڑھے لکھے ہوتے تھے آج کل کے نواز شریف، زرداری یا پرویز مشرف کی سطح کے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ بہت پڑھے لکھے لوگ تھے۔ شاہجہان محل میں قید رہتے تھے ان کو سامنے تاج محل نظر آتا تھا جو ان کی محبوبہ کا مزار

Marfat.com

تھا اور وہاں بیٹھے ہوئے ان کا حال یہ تھا جو غالب نے یوں بیان کیا ہے:

دل چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

انہوں (شاہجہان) نے بادشاہ اورنگزیب کو یہ درخواست پیش کی کہ حضور میں یہاں فارغ رہتا ہوں سوائے تاج محل کے نظارے کے کوئی کام نہیں آپ اگر مہربانی کریں تو کچھ طلباء میرے پاس بھیج دیا کریں میں ان کو پڑھا دیا کروں گا اور میرا وقت اچھا گزر جائے گا تو بادشاہ اورنگزیب جو خود بھی بڑے عالم فاضل اور صاحب علم شخصیت تھے انہوں نے شاہجہان کی درخواست پر حکم لکھا اس کا مفہوم یہ تھا "یہ ایک طرح کی بادشاہت سے محروم ہوئے ہیں اور دوسری قسم کی بادشاہت چاہتے ہیں خیر انہیں یہ دے دی جائے۔"

تو معلم ایک بادشاہ ہوتا ہے اور حضور ؐ کا ارشاد تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ آپ نے فرمایا: "انما بعثت معلما۔"

یہ بڑی تاکید کے ساتھ نسخ "انما" لا کر فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تعلیم کا پیشہ وہ پیشہ ہے کہ اس سے زیادہ عزت اور آزادی کا کام کسی اور پیشہ میں نہیں۔ معلمی کا پیشہ ہی واحد پیشہ ہے جس میں بہت کم لوگوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اس لیے کہ جب آپ کلاس میں ہیں آپ بادشاہ ہیں جو آپ کہتے ہیں آپ کا کلمہ بلند رہتا ہے اور آپ ہی کا قول قول فیصل سمجھا جاتا ہے قول آخر قرار پاتا ہے۔

اگر آپ غور کریں تو یہ ایک بڑا انفسیاتی نکتہ ہے کہ جس کی جانب آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں بات یہ ہے کہ آج ہمیں اپنے پیشے سے اور اس عمل سے جو ہم کر رہے ہیں اس پر ہمیں اطمینان نہیں ہے اور ہمیں اس پر اعتماد نہیں ہے، ہم ادھر

Marfat.com

ادھر دیکھتے ہیں کہ گاڑی پر جاتا ہوا کوئی نظر آئے تو یہ خواہش کرتے ہیں کہ اس کی جگہ پر ہم بیٹھے ہوتے اگر کوئی بڑے منصب پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے تو ہم یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش اس کی جگہ پر ہم بیٹھے ہوتے اگر کوئی بڑا لکھ پتی ،ارب پتی اور بہت زیادہ مالدار آدمی نظر آتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہمارے دل میں بھی انگڑائی ہوتی ہے کہ کاش اس کی جگہ ہم ہوتے اگر یہ حالات ہوں تو پھر میرے خیال میں ایسے آدمی کو معلم ہونا ہی نہیں چاہیے اس کو معلم والا کام ہی نہیں کرنا چاہیے، کاروبار کی دنیا کھلی پڑی ہے جاؤ کاروبار کرو تمہیں کس نے منع کیا ہے اس کی اسلام میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اگر آپ معلم بنیں تو پھر یہ سمجھ کر بنیں کہ اس سے بہتر کوئی کام نہیں آپ یہ یقین پیدا کریں کہ یہ بہت بڑا کام ہے اس سے بڑھ کر کوئی کام نہیں ہے، بلکہ ذہنی طور پر آپ پوری طرح مطمئن رہیں کہ یہ بہت بڑا کام ہے اور یہ انبیاء کی جانشینی کا کام ہے۔

ہمارے ایک استاذ تھے مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب وہ فرماتے تھے کہ کتابیں تصنیف کرنا بہت آسان ہے تھوڑی سی محنت سے تھوڑی سی پریکٹس سے آپ کتابیں لکھ سکتے ہیں آج سے قبل ہزاروں آدمی کتابیں لکھ کر چلے گئے لیکن آدمی لکھنا مشکل ہے آدمی کی تصنیف مشکل ہے وہ تو کارِ انبیاء ہے یہی مشکل کام آپ کے سپرد ہے اور روحانی طور پر دینی طور پر اس سے بڑھ کر اور کوئی کام کیا ہوسکتا ہے؟ اور دنیاوی اعتبار سے بھی میں نے عرض کردیا کہ یہ ایک بادشاہت ہے اور بادشاہت نام ہے حکم چلانے کا تو آپ حکم چلاتے ہیں آپ کا حکم مانا جاتا ہے۔ تو اس پر بہت اطمینان ہونا چاہیے لیکن اگر کسی کے دل میں وسوسے ابھی بھی ہیں تو میرا خیال ہے کہ اس کو یہ کام پھر چھوڑ دینا چاہیے اس مشغلے کو ترک کر کے کوئی اور کام کریں لیکن معلمی کے اس کام کو روزی کا ذریعہ سمجھ کر نہ کریں بلکہ مشن سمجھ کر کریں

Marfat.com

روزی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دیتے ہیں۔ لیکن اصل چیز یہ ہے کہ اس آدمی کی نظر کس چیز پر ہے۔ تو جس چیز پر نظر ہو یعنی دل میں جس چیز کی سچی طلب ہو تو وہی چیز آدمی کو ملتی ہے۔ اگر میں دعویٰ کروں کہ علم پھیلانا چاہتا ہوں علم کا فروغ چاہتا ہوں لیکن دل میں میرے خواہش کوئی اور ہی مچل رہی تو پھر سارا ڈھونگ بے کار ہے لیکن اگر دل کی گہرائیوں میں فروغ علم کی تمنا ہو جیسے متنبی کا شعر ہے:

عذل العواذل حول قلبی التائہ

وھوی الاحبة منہ فی سوداءہ

جب سوداء قلب میں یہ سودا سمایا ہوا ہو تو تب کہیں جا کر علم حاصل ہوتا ہے۔ اور علم تب حاصل ہو پاتا ہے جب آدمی فارابی کی طرح ہو۔ ابو نصر فارابی کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا جس کو معلم ثانی کہا جاتا ہے اور دنیا اس کا لوہا مانتی ہے غیر مسلم بھی ابو نصر فارابی کو فلسفہ کا معلم ثانی مانتے ہیں اور اس میدان کا معلم اول ارسطو کو مانا جاتا تھا۔ یہ ابو نصر فارابی ایک باغ میں چوکیداری کرتا تھا اور یہ بہت غریب آدمی تھا اس باغ کا جو مالک تھا وہ اپنی ایک چھوٹی سے ہٹ بنا کر رات بھر اس میں عیاشی کرتا تھا۔ یہ اور اس کے یار دوست اپنے مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ باغ کا مالک ساری رات جواء کھیلتا تھا اور ابو نصر فارابی باغ کی چوکیداری کرتا تھا اور اس کی ہٹ کی ریخوں سے جو روشنی باہر آتی تھی تو ابو نصر فارابی نے وہاں اپنی نشست بنا رکھی تھی اور وہ وہاں بیٹھ کر ساری رات فجر تک مطالعہ کیا کرتے۔ فارابی اس زمانہ میں زیادہ تر فلاسفۂ یونان کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور یہ کتابیں کرائے پر ملتی تھیں اور ابو نصر فارابی کرایہ پر کتابیں لے آتے۔ اور پوری رات پڑھتے رہتے ساتھ ہی چوکیداری کے فرائض بھی ادا کرتے۔ اور جو روز کی مزدوری ملتی تھی اس مزدوری سے کچھ اپنا خرچ چلاتے اور

Marfat.com

جو کچھ بھی بچتا تھا اس سے مزید کرایہ کی کتابیں لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے روشن دماغ اور کھلا ذہن دیا تھا فلسفہ کی پوری کتاب عموماً ایک ہی رات میں پڑھ کر دوسری صبح کو اس کتاب کو واپس کر کے اس کی جگہ دوسری کتاب لے آتے اور اس طرح کتابیں کرایہ پر لا لا کر پڑھتے رہے۔ جب تک یہ شوق اور جذبہ نہ ہو تو اس وقت آدمی کو علم حاصل نہیں ہو سکتا پھر خود کو ہی علم حاصل نہیں ہوتا ایسا شخص دوسرے کو کیا علم دے گا۔

ہر کجا پستی است آب بجاورد
ہر کجا سوال جواب آن جارود
ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

تو فطرت کا نظام ہی ایسا ہے کہ جس چیز کی واقعی دل میں طلب ہو، من میں لگن ہو اور وہ طلب ہر چیز پر حاوی ہو، غالب ہو، تو وہ چیز حاصل ہو کر رہتی ہے۔ اور یہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کا علم ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت اور مدد سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے لیے آسانیاں ہی آسانیاں رکھ دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واتقوا اللہ ویعلمکم اللّٰہ

یعنی تم تقوی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں خود سکھائیں گے۔ تو یہ شرط اول ہے میرے خیال میں اگر ایک معلم اپنے اس پیشے کو قیمتی سمجھے اور اپنے اس عمل کو کائنات کی بہت بڑی سرگرمی سمجھے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر کوئی قیمتی عمل ہے ہی نہیں۔ اور میں نے مغرب میں یہ دیکھا ہے جیسا کہ مولانا نے اشارہ کیا کہ ہر ایک سے کام کی بات سیکھنی چاہیے تو میں نے جو چیز وہاں دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کے بھی بڑے بڑے اساتذہ، دانشور اور سائنس دان وہ بڑے زاہد لوگ ہیں اگر زاہد کا لفظ

Marfat.com

ان کے لیے درست ہے اور وہ اپنے اس کام میں فنا ہیں، فنافی العلم ہیں، نہ ان کو اپنے کپڑوں کی خبر اور نہ ان کو کسی اور چیز کی پرواہ اور واقعی علم ایک درویشی کا نام ہے یہ ایک عشق کا سودا ہے اس کے لیے درویشی اختیار کرنا بہت بڑی بات ہے ،اس سے پتہ چلا کہ عالم کفر میں بھی یہ ناگزیر چیز ہے۔ جب وہاں ناگزیر ہے تو یہاں تو بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ دنیا میں کوئی بھی آدمی کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیتا ہے جو کہ قابل ذکر ہو۔ اگر آپ ۲۰، ۳۰، ۴۰ ایسے اہم عہد ساز واقعات کی فہرست بنائیں کہ جنہوں نے تاریخ عالم کا رخ موڑا ہے اور بڑے بڑے یادگار کارنامے انجام دیے ہیں اگر آپ ان لوگوں کے حالات پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ایک مقصد اور اس کے حصول کی تمنا ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوگئی ہے، ان کے اندر پوری طرح رچ بس گئی ہے۔ اگر کوئی فاتح ہے تو اس کا بھی یہی حال تھا اگر کوئی مصور ہے تو اس کا بھی یہی حال تھا اگر کوئی فلسفی ہے تو اس کا بھی یہی حال تھا۔ اگر کوئی ادیب ہے، شاعر ہے، قانون دان ہے، مصلح قوم ہے تو اس کا بھی یہی حال تھا، تو یہ چیز ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں بلکہ ہم ویسے ہی اتفاقیہ طور پر اس کام میں آپھنسے ہیں یا زمانے کے تھپیڑوں نے یا وقت کی لہروں نے ہمیں یہاں اٹھا کر پھینک دیا ہے اس دارالعلوم میں یا کسی اور مدرسے میں، ہم اس لیے یہاں مدرس بن گئے ہیں کہ ہمیں اس سے بہتر اور کوئی نوکری نہیں ملی یا ہم ڈپٹی کمشنر نہیں بنے یا کوئی ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بنے اس لیے کہ وہ مہنگا سودا تھا، اگر ہمارے ذہن میں یہ بات ہے تو پھر ہمیں اس کام کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن اگر ہم اس کام کو کریں تو پھر اس کو صحیح طریقہ سے کریں، سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں یہ درس دیا تھا:

ان اللہ تعالیٰ یحب اذا عمل احدکم عملاان یتقنہ۔

تو یہ اس کام کو کرنے کا پہلا تقاضہ ہے پیشہ معلمیت اختیار کرنے کا، تو اس

Marfat.com

کام کی اہمیت کو، عظمت کو اور اس کام کے ہر چیز سے برتر ہونے کا یقین محکم اور اس کے مطابق عمل پیہم ظاہر ہے کہ اس میں کیا شبہ ہے کہ خالق کائنات کا علم کائنات کے علم سے برتر ہے باقی سارے علوم کائنات کے بارے میں ہیں جیسے فزکس ہے، کیمسٹری ہے بائیولوجی ہے، طب ہے، حساب ہے، تو کائنات میں جو قوانین کارفرما ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور ان کو دریافت کرنے کا یا ان کے درمیان ربط معلوم کرنے کا جو علم ہے اس کو سائنس کہتے ہیں۔ یہی سائنس کا علم کہلاتا ہے یا علوم انسانی ان سے مراد وہ علوم ہیں جو انسانوں نے پیدا کیے ہیں جیسے فلسفہ ہے، ادب ہے، فکر ہے، فن ہے یا انسانوں کے دریافت کردہ سماجی علوم ہیں چاہے وہ معاشی ہوں یا سیاسی، قانونی ہوں یا اجتماعی یہ سارا کائنات کا علم ہے۔ تو خالق کائنات کا علم جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور مہیمن ہے اور قادر اور مقتدر ہے اس کا علم تو سب سے برتر ہے اعلیٰ اور ارفع ہے تو اس علم سے ہم وابستہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے اس پر حضرت تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا تھا جو حال ہی میں آپ نے مجھے بھیجا میں نے اس میں پڑھا آپ نے بہت عمدہ طریقہ سے یہ بتایا کہ پوری کائنات کا نظام اس وقت تک قائم و دائم رہے گا جب تک اس دنیا میں ایک آدمی اللہ کا نام لینے والا رہے گا یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے حدیث نبوی ہے:

لا تقوم الساعة حتى يقال في الارض الله الله۔

تو اللہ اللہ کہنے والا آخری آدمی جب ختم ہو جائے گا تو کائنات بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ دنیا ایک ڈسپوزیبل چیز ہے جو استعمال کر کے پھینک دی جاتی ہے۔ یہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔ ہمارے جانے کے بعد یہ فنا ہو جائے گی کیونکہ یہ ہمارے لیے ہی بنائی گئی تھی اور ہمارے جانے کے بعد ختم کر دی جائے گی۔ تو

Marfat.com

اللہ اللہ کرنے کا جو عمل ہے وہی اس کائنات کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ پھر اللہ اللہ کہنے کا جو عمل ہے اس کا تعلق علم سے ہے اور علم کی بقاء تعلیم سے ہے جو لوگ علم دین کے فروغ میں مشغول ہیں اور اس کو پھیلا رہے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانوں کے تعلق کو باقی رکھے ہوئے ہیں، اس پر نگہبان اور ذمہ دار ہیں اور اگر یہ عمل رک جائے یا اگر یہ مدارس بند ہو جائیں (اللہ نہ کرے یہ مدارس ختم ہو جائیں) تو پھر کائنات کو ختم ہونے میں، فنا ہونے میں تھوڑا ہی وقت لگے گا، لہٰذا یہ کام اتنا بڑا کام ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی سرگرمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں واضح طور پر سمجھایا ہے کہ یہ علوم دین خصوصاً علوم سنت یہ وہ دولت ہے جس کے لیے تمام آدمی کو بہترین وسائل اور اوقات خرچ کرنے چاہییں۔ تو جب ہم ایسا اہتمام کریں گے تو پھر علم دین کی انمول دولت اللہ پاک ہمیں عطاء فرمائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ دولت ہمیں ملے گی تب ہی کسی اور کو اس میں شریک کر سکتے ہیں اور اس طرح اس کار نبوت میں ادنی شریک کار بن سکتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ" انما بعثت معلما" آج ہمیں بغور یہ جائزہ لینا چاہیے کہ آپ کا اسوۂ تعلیم کے میدان میں کیا ہے؟ اس اہم موضوع پر بہت سی کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں۔ ہمارے برصغیر کے کچھ لوگوں نے بھی لکھی ہیں اور عرب دنیا میں تو اس پر بہت کام ہوا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ تدریب المعلمین کا کوئی منصوبہ بنائیں تو اس میں ان تحقیقات کو ضرور شامل رکھیں کہ زندگی کے ہر معاملہ میں ہمارا اسوۃ حضورؐ ہیں۔ ہم تدریب المعلمین کا ایسا منصوبہ سامنے لا سکتے ہیں جس میں ہم اسوۂ حسنہ کو محور بنالیں اور اس بنیاد پر ہم ایک نئی ایجوکیشن کی تھیوری دنیا میں پیش کر سکیں۔ دنیا قریب قریب اسی کے کچھ پہلوؤں تک پہنچ گئی ہے۔ آج جو دنیا بھاگ کر امریکہ

Marfat.com

جاتی ہے، یورپ جاتی ہے، آپ اخبار کھول کر دیکھیں اشتہار بھرے ہوتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں جا کر پڑھو ظاہر ہے لوگوں کو وہاں کچھ ملتا ہے تب ہی تو جاتے ہیں دراصل ایک بہت ہی سادہ بات ہے کہ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا ہے اور اگر ہم اپنے طریقے سے برگشتہ نہ ہوئے ہوتے تو آج تعلیم میں دنیا کے امام ہوتے نہ کہ مقتدی، لیکن بہت سے اسباب کی بناء پر اس سرچشمہ ہدایت سے ہم نے ہمارے نام نہاد ماہرین تعلیم نے منہ موڑ رکھا ہے اور اغیار کے کاسہ لیس ہم بن کر رہ گئے ہیں حالانکہ جو چیزیں اہل مغرب سے لوگ آج سیکھنے جا رہے ہیں وہ اپنے جوہر کے اعتبار سے ہمارا اپنا ہی ورثہ ہے ھذہ بضاعتنا ردت الینا، اور تو اور ہمارے بعض دینی مدارس تک اس عظیم نظریہ تعلیم سے بڑی حد تک نا آشنا ہی نظر آتے ہیں۔

انسانوں کی زندگیوں کو سنوارنے، ان کی سوچ اور کردار کو بدلنے کا گر ہمارے رسولؐ نے ہی سکھایا ہے یہ فن وہ فن ہے جس کے اصل ماہرین ہی انبیاء و رسل ہوئے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے آج اس سے ہماری توجہ ہٹی ہوئی ہے وہ سنہری اصول جو آپؐ نے ہمیں دیا وہ یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک متعلم اور معلم بالقوۃ موجود ہے۔ ہر انسان بالقوۃ سیکھنے اور سکھانے کی صلاحیت رکھتا ہے، ہر انسان میں جبلی طور پر ایک تجسس ہے اور وہ اس تجسس کی وجہ سے اپنے ذہن میں سوالات اٹھاتا ہے۔ اور ان سوالات کے جوابات تلاش کرتا ہے، اس سے علم پیدا ہوتا ہے آگے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے" انما شفاء العیّ السوال۔" جب تک انسان کو بھوک نہ ہو وہ اس وقت تک کھانا نہیں کھا سکتا، جب تک انسان کو پیاس نہ لگے تو وہ پانی نہیں پی سکتا، کہ بغیر طلب تو کوئی چیز مل ہی نہیں سکتی، تجسس اور تشوق شرط اول ہے کچھ سیکھنے کی۔ تو حضورؐ کا جو طریقہ تعلیم ہے وہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر آدمی کے

Marfat.com

اندر جو مخفی صلاحیتیں ہیں ان کو ابھار دیا جائے۔

ذرا، غور کریں کہ جو بڑے بڑے صحابہ کرامؓ مثلاً عشرہ مبشرہ ہیں آپ ہر ایک کا تذکرہ پڑھیں تو آپ کو ہر ایک اندر وہ شوق اور طلب بھی نظر آئے گی اس کے علاوہ ہر ایک کا رجحان اور نفسیاتی رنگ اور ہر ایک کی پسند ناپسند اور ہر ایک کی شخصیت الگ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے ذات میں کائنات بنایا ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ فلسفیوں نے کہا ہے کہ انسان ایک عالم اصغر ہے اور کائنات ایک شخص اکبر ہے اور یہ شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی کہا ہے۔ اور اکثر فلاسفہ نے کہا ہے کہ ہر انسان اپنے اندر ایک دنیا رکھتا ہے، وہ اپنے خیالات اپنے جذبات اور مشاہدات اور اپنے تجربات، ان سب کے مجموعہ کی بناء پر ہر انسان ایک منفرد ہستی ہے۔

لہٰذا ایک معلم کا کام یہ ہے کہ وہ ہر فرد کی صلاحیت کو جانے اور ہر فرد کا ذوق اور اس کا تجسس پہچانے اور یہی کام حضورؐ نے کیا ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں کس قدر تعریف کے الفاظ آپؐ نے ارشاد فرمائے کہ شاید کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی اتنی تعریف نہ کرسکے، پھر آپ یہ دیکھیں کہ جس ذمہ داری کی ابوذر غفاریؓ نے خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے وہ ذمہ داری ان کو نہیں دی اس لیے کہ آپؐ ہر آدمی کے مزاج اور صلاحیت کو جانتے تھے، اور آپؐ ہر آدمی کو اس کے ذوق اور اس کی صلاحیت کو سمجھتے ہوئے اس کو تعلیم دیتے تھے۔ اور ہر ایک کو اس کی لیاقت اور اہلیت کا لحاظ کر کے منصب اور ذمہ داری عطا فرماتے تھے کسی کو زید بن ثابتؓ بنادیا اور کسی کو خالد بن ولیدؓ بنادیا کہ خالد بن ولیدؓ نے جیسے ہی اسلام قبول کیا تو بہت جلدی آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فوج کی کمانڈ دے دی۔ آپ ایسے ہی ہر ایک کو منصب نہیں دے دیا کرتے تھے یعنی ہر

Marfat.com

فرد کو دیکھ کر اس کی نفسیاتی ، ذہنی ، فکری اور شخصی رجحان کے مطابق اس کو منصب اور ذمہ داری دیا کرتے تھے اسی کا لحاظ آپ تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد میں بھی رکھتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بہت دلچسپ موازنہ بیان کیا ہے حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے اس رسالہ میں ایک اصطلاح باندھی ہے اصحاب التجاذب اور اصحاب التجاذب اسی کو کہتے ہیں کہ انسان کے اندر بیک وقت قوت ملکیہ اور بہیمیہ دونوں موجود ہیں اور بعض انسانوں کے اندر ان قوتوں کا آپس میں بڑا مقابلہ رہتا ہے اور آپس میں بڑا ٹکراؤ رہتا ہے اور نفس امارہ میں اور مطمئنہ میں بھی بڑا ٹکراؤ رہتا ہے اور بڑی مشکل اور کوشش سے ان کی ملکیت غالب آتی ہے۔ تو شاہ صاحبؒ مثال دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اصحاب التجاذب میں سے تھے اور تاریخ میں سب سے بڑا گناہ جو ہو سکتا ہے وہ کرنے جا رہے تھے یعنی خیر البشر کو شہید کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم ہو سکتا ہے؟ یعنی ان کی قوت بہیمیہ نے ان کو کہاں پہنچا دیا تھا پھر جب انہوں نے پلٹا کھایا تو ان کی قوت ملکیہ ان کی شخصیت پر پوری طرح غالب آ گئی تو اس مسئلہ کی وضاحت میں شاہ ولی اللہ کے الفاظ مختلف ہیں لیکن میں ان کے الفاظ کو آج کے دور کی زبان میں کہتا ہوں کہ جب راکٹ ایک دم اوپر جاتا ہے تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ جاتا ہے جس کو علامہ جلال الدین رومی نے کہا ہے کہ اس وقت تقویٰ کا حمام گرم اور روشن ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت انسان کی حیوانی انرجی پوری طاقت کے ساتھ ملکیہ کی سروس میں آجاتی ہے۔ تو اس طرح آدمی بڑی جلدی ترقی کرتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے جو بڑی جلدی ترقی کی ہے وہ اس وجہ سے کی ہے کہ پہلے جو غیر معمولی قوت کفر کے فروغ میں صرف ہوتی تھی وہ یکایک اسلام کے عروج میں صرف ہونے لگی۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر

Marfat.com

میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ اس امت میں مجتہد مطلق ایک ہی گزرے ہیں اور وہ حضرت عمرؓ ہیں۔شاہ ولی اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ تمام آئمہ مجتہدین اور فقہاء کے جو مآخذ ہیں یہ سب حضرت عمرؓ سے مستنبط ہیں اور شاہ صاحب نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابلہ میں یعنی حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اصحاب اصطلاح میں سے تھے ان کے اندر جو قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ تھیں ان کے درمیان آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں تھا کوئی لڑائی نہیں تھی، چنانچہ جونہی آپ نے یہ سنا کہ حضورؐ مبعوث ہوئے ہیں اسی وقت آپ ایمان لے آئے، جب معراج کا واقعہ ہوا تو آپ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور واپسی پر ان سے کفار نے ازراہ تمسخر یہ کہا کہ آپ کے دوست یہ بھی کہتے ہیں کہ میں رات آسمانوں کی سیر کر کے آیا ہوں تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر وہ اس طرح کہتے ہیں تو یقیناً وہ ٹھیک کہتے ہیں، تو ان عظیم ہستیوں کی زندگیوں میں برپا ہونے والے انقلاب کو دیکھ کر سمجھا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کا اصل کارنامہ کیا ہے؟ انہوں نے حضرت عمرؓ کو ابوبکر بنانے کی کوشش نہیں کی یا سب کو تبلیغی جماعت کی طرح ایک لاٹھی سے نہیں ہانکا (تنقید مقصود نہیں) کہ ڈاکٹر ایک ہی نسخہ لکھے جا رہے ہیں خواہ کسی کے پیٹ میں مروڑ ہو، اس کو بخار ہو یا اس کو ملیریا ہو سب مریضوں کو ایک ہی کورس ۴۰ دن کا ۶۰ دن کا کورس کرائے جاتے میں اس کی مخالفت نہیں کرتا یہ حضرات میرے رشتہ دار بھی ہیں اور میری والدہ کے سگے پھوپھا تھے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا یوسف صاحب کو میں نے دیکھا ہے اور مولانا زکریاؒ کو میں نے دیکھا۔اور یہ میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ ایک حد تک ہی یہ طریقہ مفید ہے اس کے لیے جس کو محض عوامی لیول پر کوئی کام کرنا ہو ایک ہی طریقہ اصلاح ہر ایک کے لیے صرف ایک حد تک

Marfat.com

فائدہ مند ہوتا ہے اگرچہ یہ فائدہ بھی کوئی کم نہیں ہے، ظاہر ہے کہ لوگ اس کی بدولت مسجد میں آ گئے اور گناہوں سے بچ گئے، یہ سب ٹھیک ہے لیکن اس سے ایک حد تک ہی کوالٹی پیدا ہوتی ہے کہ ایک تو ہوتی ہے پرائمری ایجوکیشن یعنی سب کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں لیکن پھر ان میں سے کوئی افلاطون اور ارسطو نہیں بنتا، اسی طرح علوم دین میں بھی ہوتا ہے کہ ہر آدمی مدرسے سے فارغ ہونے والا حکیم الامت نہیں بنتا امام ابو حنیفہ نہیں بنتا، آپ بتائیں کتنے آدمی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے والے حکیم الامت بنے؟ اور کتنے انور شاہ کشمیری بنے؟ یا قاسم نانوتوی بنے؟ لہٰذا اس بات کی بھی اپنی جگہ ضرورت رہے گی کہ مدارس اپنے اندر اعلیٰ کوالٹی بھی پیدا کریں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر فرد پر توجہ مرکوز کی جائے وہ کامیاب رہے گی اور ساتھ ہی جماعت پر بھی محنت ہو لیکن تعداد کم ہو آج کل ایجوکیشن میں یہ کہا جاتا ہے کہ اور یہ بات مسلمہ طور پر مانی جاتی ہے کہ جتنی کم تعداد ہوگی اتنا ہی اخذ و قبول اور زیادہ افادہ بھی ہوگا، استفادہ بھی ہوگا، وقت بھی زیادہ ملے گا لیکن ایک مجمع لگا ہے طلباء کا آپ آئے اور تقریر کر کے چلے گئے بلکہ آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ اگر آپ پچاس ہزار کے مجمع میں بات کریں تو میرا خیال ہے کہ شاید نفس کو تو مزا آتا ہے لیکن آپ کی بات لوگوں پر زیادہ اثر نہیں کرے گی کیونکہ جو اثر ہوتا ہے وہ تقسیم ہو جاتا ہے۔

اور پھر میں ایک اور بات بڑے ادب سے کہوں گا کہ ہمارے ہاں ادب اور احترام میں بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے کہ ایک اللہ کا بندہ بننے کے بجائے مہتمم صاحب کے بندہ بن کے رہو، میں اس کو غلط سمجھتا ہوں اور قرآن اس بارے میں یہ کہتا ہے کہ أیأمرکم بالکفر؟ اس سے پہلے یہ الفاظ آئے ہیں کہ کسی نبی کو زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے۔ کونوا عباد الی من دون اللہ، تو کسی اور کی کیا مجال کہ وہ ایسا

Marfat.com

سوچے لیکن ایسے لوگ ہیں آپ اس کو مانیں یا نہ مانیں یہ جو جعلی پیر ہوتے ہیں اور ان کے مرید ہوتے اور یہ کھلم کھلا شرک ہو رہا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ ڈالنی چاہیے کہ صاحب! ادب اپنی جگہ، احترام اپنی جگہ لیکن اس کی حدود ہیں ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

تو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ نے طلباء کا تعلق قائم کر دیا اس کو راہ خدا کا سالک بنا دیا تو میرا خیال ہے کہ نوے فیصد کام ہو گیا وہ خود اس میں غور و خوض کرے گا کہ اس کو اس راہ میں کیسے آگے بڑھنا ہے آپ صرف راہنمائی کریں بشرطیکہ آپ نے اس کی ناک اپنے سامنے نہیں رگڑوائی کسی کی شخصیت کی نفی کرنے سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کی صلاحیتیں کند ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری جبلت میں اپنی پہچان رکھی ہے کہ لیکن کسی پیر فقیر کے سامنے جھکنا اس کی بندگی کرنا یہ غلط ہے، یہ انسان کی شخصیت کو مسخ کرنے والی بات ہے، اور اگر ہم اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر دیکھیے کہ اس کی شخصیت کے جو مخفی خزانے ہیں وہ کیسے ظاہر ہوتے ہیں۔

ہمارے جو بزرگان دین تھے انہوں نے کیا کام کیا؟ انہوں نے ہی کارنامہ تو انجام دیا کہ طلباء کا تعلق مالک سے جوڑ دیا آج اگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ میں سے کسی کو کمپیوٹر نہیں آتا یا اس کو انگریزی نہیں آتی تو میری نظر میں یہ کوئی کمزوری نہیں ہے بلکہ اصل چیز اللہ کے ساتھ تعلق ہے، جیسے ایک ڈاکٹر ہسپتال میں بیٹھا رہتا ہو اور اپنا کام نہ کرتا ہو تو لوگ اسے کہیں گے کہ بھائی تم کمپیوٹر ہی سیکھ لو کسی کام کے تو بنو لیکن جو واقعی فن کا ماہر ہو گا اس کو کوئی نہیں کہے گا کہ اس کو کمپیوٹر نہیں آتا۔ میں آپ کو یہ کہتا ہوں کہ کوئی بڑا اسپیشلسٹ ہو تو اس کو کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ تجھے کمپیوٹر نہیں آتا۔ میں آپ کو اپنے ایک دوست کی بات سناتا ہوں وہ بہت

Marfat.com

بڑے آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر ہیں، ڈاکٹر فیاض ان کا نام ہے، وہ مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب مجھے تو موبائل پر میسج پڑھنا بھی نہیں آتا، ایک دن میں نے ان سے کہا تھا کہ میں آپ کو میسج کردوں گا تو وہ کہنے لگے کہ آپ مجھے فون کر دینا مجھے میسج پڑھنا نہیں آتا، اسی طرح ایک دفعہ میں صاحبزادہ یعقوب خان صاحب کے پاس گیا جو خارجہ امور کے بڑے ماہر رہے ہیں، انہوں نے مجھے اپنی کوئی پرانی تقریر سنانی چاہی وہ عربی کے بھی ماہر تھے کوئی چھ سات زبانوں پر مہارت رکھتے تھے جنرل ضیاء الحق نے ان کو کئی برس اپنا وزیر خارجہ بنا کر رکھا تھا وہ اپنی تقریر سنانے لگے اس کے لیے ان کے پاس سی ڈی پلیئر تھا تو وہ بار بار ملازم کو بلاتے اور کہتے اس کو چلاؤ تو میں نے کہا کہ آپ اس کو کیوں بلاتے ہیں؟ کہنے لگے کہ مجھے یہ چلانا ہی نہیں آتا مجھے بڑی حیرت ہوئی میری حیرت دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ مجھے تو ٹیپ ریکارڈر بھی چلانا نہیں آتا، بلکہ اس سے بھی آگے یہ کہا کہ مجھے تو ریڈیو چلانا بھی نہیں آتا پھر ایک اور زیادہ حیرت کی بات وہ مجھے بتانے لگے کہ میں نے کبھی زندگی میں اخبار نہیں پڑھا اور کہنے لگے کہ تاریخ میں ایسے تین وزیر خارجہ گزرے ہیں جو اخبار نہیں پڑھتے تھے ایک منظور قادر تھے جو اخبار نہیں پڑھا کرتے تھے اور بڑے کامیاب وزیر خارجہ تھے، دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا وہ روس کے تھے غالباً مولوٹوف ان کا نام تھا، میں نے غور کیا کہ یہ لوگ اپنے فن میں اتنے ماہر ہوئے ہیں ان کی مہارت اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ ان کا اخبار نہ پڑھنا اور ٹیپ ریکارڈر کا نہ سمجھنا کوئی عیب کی بات نہیں تھی آج اگر واقعی دین کا علم آپ سیکھیں تو کوئی آپ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔

آج غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارے اندر اب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا شیخ الہندؒ اور علامہ انور شاہ کشمیری کیوں پیدا نہیں ہو رہے ہیں کیا اللہ

Marfat.com

میاں نے ان انسانوں کو بنانے کی فیکٹری بند کر دی ہے یا قرآن حدیث ہم سے کہیں دور چلے گئے یا یہ علوم ہم سے روٹھ گئے یا ہمارے وسائل کم ہو گئے؟ کوئی نہ کوئی تو ہمارے اندر خرابی ضرور ہے۔ ہم باہر پبلک میں یہ نہیں کہتے لیکن ہم کو خود میں غور و خوض ضرور کرنا چاہیے، میرے خیال میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ کے ساتھ کم ہو گیا ہے یہ ہمارے نظام تعلیم و تربیت کے انحطاط کی بنیادی وجہ ہے۔

دیکھیے حضورؐ تمام افراد کا احترام کرتے تھے آپؐ نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ تمہارے اندر یہ کمی ہے صیغہ غائب سے بات پہنچایا کرتے تھے اور بچے کا بھی اتنا ہی احترام کرتے تھے، اور کسی کو متنبہ کرنا ہو تو اس کو صیغہ غائب کے ساتھ تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ انسان کی شخصیت اور احترام آدمیت اور عزت نفس کا لحاظ کر کے کس طرح آپ کفار اور مشرکین کو دائرہ اسلام میں لے آئے، جو چیزیں متعصب کر دیتی ہیں اور قبول حق سے روکتی ہیں وہ اکثر عزت نفس کی پامالی کے سبب سے ہوتی ہیں آپ جانتے ہیں کہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ داخل ہوئے اس میں قریش کی جانب سے مزاحمت کا خطرہ تھا آخری معرکہ تھا اس موقع پر آپؐ نے کہا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اس کو امان ملے گی، تو ابوسفیان کا سارا مسئلہ نفسیاتی تھا کہ اب ہمارا فسانہ ختم ہوا، ہمارا اقتدار ختم ہو گیا، تو ایسی کیفیت میں انسان پورا زور لگا دیتا ہے کہ ہم مریں گے یا بچیں گے، تیسرا کوئی آپشن نہیں۔

آپ عربوں کی ذہنیت کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کفار چھوٹی چھوٹی چیز پر جان لڑا دیتے تھے جیسے حجر اسود پر جھگڑے تھے۔ کون پہلے آئے گا اور اس کو اٹھا کر رکھے گا اسی لیے تو آپ نے تفصیلی معاشرتی ہدایات دی ہیں، شاہ ولی اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے عربوں کی انا کا کیسے علاج کیا کہ جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے، داخل ہو تو سلام کرے، سوار سلام کرے، اس لیے کہ ان

Marfat.com

میں انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت جھگڑے ہوتے تھے ہر ایک اپنے کو آگے رکھنا چاہتا تھا، تو حضورؐ کا اسوۃ یہ ہے کہ انسانوں کی شخصیتوں کا احترام کرنا اور ہر ایک کے اندر جو فطری اور پوشیدہ صلاحیتیں ہیں ان کو ابھار کر ان سے کام لے کر شخصیتوں کی تعمیر کرنا اس طرح کہ ہر ایک کی انفرادیت بھی قائم رہے ہر ایک کا خاص جوہر کھل کر سامنے آجائے اور یہ کام ویسٹ میں ہوتا ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ لوگ تھیسز لکھتے ہیں، لوگ ریسرچ کرتے ہیں بس یہ ایک تماشہ ہے مقصد یہ ہے کہ اس کے اندر ایک سوئے ہوئے مصنف کو بیدار کرنا ہے۔ اس کے اندر تحقیق کا شوق پیدا کرو تجسس کا ذوق پیدا کرو، ایک آدمی سپروائزر بن گیا یا گائیڈ بن گیا، یا جیسے آپ بچوں کو بہلاتے ہیں جھوٹ موٹ کا بچہ ٹیچر بن گیا یا ڈرائیور بن گیا تو اس طرح یہ ریسرچ کرتا ہے تو یہی وہ چیز ہے جس پر ویسٹ نے عمل کیا ہے کہ ہر آدمی بالقوہ سائنس دان ہے، یا فلسفی ہے، یا منیجر، یہ سب صلاحیتیں ان کے اندر موجود ہیں آپ صرف ان کو ابھاریں اس پر نہ جبر کریں نہ اکراہ کریں کرامت آدم کو ہر حال میں باقی رکھیں، اگر ہم یہ چیز اختیار کریں تو پھر ہم آج بھی اسی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں جس طرح ہمارے عظیم اسلاف کامیاب ہوئے ہیں جن کے کارنامے ہماری سنہری تاریخ کے ہر ورق پر لکھے ہوئے ہیں۔

اب آخر میں میں تین پوائنٹس پر اپنی گفتگو کو ختم کروں گا۔

پہلا پوائنٹ یہ کہ معلم کو چاہیے کہ اپنے طلباء کے ساتھ ایک حد تک بے تکلفی بھی پیدا کرے تا کہ اس کا خوف ختم ہو جائے ، ہم تو الٹا خوف کا استعمال کرتے ہیں ہمارے اول سے آخر تک ترتیب ہی ترتیب سے کام لیا جاتا ہے نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ ہمارے ہاں یہ منظر ہوتا ہے کہ ہٹ جاؤ جی شیخ صاحب آئے ، فلاں صاحب آئے ، کوئی ہلے نہ اور کوئی پر نہ مارے ، کوئی دم نہ مارے ، میں

Marfat.com

اس کے بہت خلاف ہوں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں اور حکیم الامت کی مثال آپ کے سامنے ہے ان کے خاندان والے یہاں موجود ہیں آپ کس طرح بچے بچے سے بے تکلف تھے، میرے والد صاحب مرحوم نے ان کی صحبت پائی ہے وہ بتاتے ہیں کہ بچے حضرت سے بہت بے تکلف تھے اور ان سے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے ہاں قرآن کے ایک استاذ کو اس شرط پر رکھا تھا کہ آپ بچوں کو ماریں گے نہیں، کوئی پڑھے یا نہ پڑھے تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر کسی بچے کو مارا اور مجھے پتہ چل گیا تو آپ کی چھٹی ہو جائے گی، ایک دفعہ حضرت کہیں باہر گئے ہوئے تھے، تو پیچھے قاری صاحب نے کسی طالب علم کو مرغا بنا دیا یہ لوگ ہوتے بھی بہت سخت ہیں، غلاظ شداد کی طرح تارہ مسیح کے جلاد خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ بچے کو حفظ بھی کرا دیتے ہیں تو وہ حفظ کر بھی جاتا ہے لیکن اگر وہ قرآن مجید سے بیزار ہو کر گیا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس کا بیڑا غرق کر دیا، ہوتا یہ ہے کہ میں نے تو بہت سی ایسی مثالیں دیکھی ہیں کہ بچہ مدرسے کے ماحول سے نکلا تو اس نے سب کچھ چھوڑ دیا وہ جو اس نے خیر باد کہہ دیا وہ آپ نے اس کو مصنوعی طور پر دیا تھا، اگر اس کے تدیّن کو اندر سے ابھارا ہوتا تو وہ کبھی نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لیے کہ حقیقی تعلق مع اللہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

ہمارے بزرگان دین نے کہا ہے کہ جو واصل الی اللہ ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا اگر وہ واپس ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ واصل ہوا ہی نہیں تھا۔ تو جب حضرت واپس آئے بچے تو آپ سے ڈرتے نہیں تھے لیکن آج کل کا بچہ یہ جراءت نہیں کرے گا کہ مہتمم صاحب سے جا کر کہے، اور یاد رکھیئے کہ حضور ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ بچے ان سے کتنے بے تکلف تھے آپ ﷺ ان سے مذاق بھی

Marfat.com

کیا کرتے تھے اور ان ہی کی سطح پر بات کرتے تھے، حضرت نے ان استاذ کو بلایا اور پوچھا کہ آپ نے بچے کو کان پکڑوائے ہیں؟ تو انہوں نے اعتراف بھی کیا اور حضرت نے گواہی بھی لے لی پھر حضرت نے کہا کہ میں تو قصاص لوں گا میں ان بچوں کا ولی ہوں، السلطان ولی من لا ولی له، ان کے ماں باپ نے عارضی طور پر ان کو میرے سپرد کیا ہے میں ان کے حقوق کا محافظ ہوں اب تو میں قصاص لوں گا، تو میرے والد صاحب اس کے گواہ ہیں کہ حضرت نے مولوی صاحب سے کان پکڑوادئے۔ مرغا بنا کے اسی طرح ان سے بھی حوض کے گرد چکر لگوائے، تو اگر انسان کی عزت کی جائے جیسے حضرت ابوسفیان اس کی بدولت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، میرے خیال میں ایک بہت مؤثر بات ابوسفیان کے لیے یہ تھی کہ مجھے وہاں بھی عزت ملی ہوئی تھی اور یہاں بھی عزت مل گئی اتنی عزت مل گئی کہ جو میرے گھر آجائے گا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، حضورؐ نے ان کو کوئی پیسے نہیں دیے تھے کوئی جائیداد نہیں دی، کوئی منصب نہیں دیا تھا۔ اس لیے آپ بھی عزت کریں اور پھر دیکھیں قدرت کے کمال میں خود اپنی کلاس میں اپنے طلباء سے کہتا ہوں کہ آپ کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے میں تو ادارے کا ایک ملازم ہوں تم مجھ سے افضل ہو اگر میری ملازمت ختم ہوگئی میں تو پڑھانے نہیں آسکوں گا، پڑھانے کا جذبہ اپنے اندر نہیں پاؤں گا، آپ فی سبیل اللہ آئے ہوئے ہو، میں تو طالب علم کو اپنے سے افضل سمجھ کر اسے پڑھاتا ہوں کیونکہ اس کا مقصد مجھ سے زیادہ اشرف ہے وہاں آنے کا اس کا مقصد مجھ سے زیادہ عالی ہے، وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کا دین سیکھنے آیا ہے اسے کوئی تنخواہ نہیں مل رہی، اگر اسے اعزاز واکرام سے رکھا جائے اور جو تنبیہ بوقت ضرورت کی بھی جاتی ہے وہ دراصل انہی کے فائدے کے لیے ہوتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی کندھے پر بیٹھا ہے یا اتنا غیر سنجیدہ ہوگیا ہے کہ سیکھنے کی

Marfat.com

قابلیت ہی سے محروم ہوگیا۔

میرا تجربہ ہے کہ بے تکلفی زیادہ ہونے سے عزت میں کوئی کمی نہیں آتی، ہاں بے تکلفی سے خوف ختم ہوجاتا ہے۔خوف ختم ہونے سے خود اعتمادی بحال ہوجاتی ہے جو کلید ہے کامیابی کی ،لیکن خوف انسان کی صلاحیتوں کو دبا دیتا ہے۔ خوف جب غالب آجاتا ہے تو انسان کی شخصیت مسخ ہوکر رہ جاتی ہے کبھی آپ جیل خانہ جاکر قیدیوں کا حال دیکھیں یا اس میں کوئی درس دینے کا تجربہ کریں تو آپ کو خود اندازہ ہوجائے گا۔آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں اپنے بچوں پر آپ انہیں تشویق و ترغیب دے کر آپ ذرا ان کا بڑا پن قبول کرلیں اور پھر ان کو کوئی کام کہیں تو وہ ضرور کرکے دکھائیں گے، جبر اور اکراہ سے کوئی نچلی سطح یعنی سپاہی وغیرہ کی سطح کا کام تو ہوسکتا ہے، لیکن خوف سے کام لے کر آپ کسی کو جنرل یا فیلڈ مارشل نہیں بناسکتے اور دین کی فوج کو سپاہی کی بھی ضرورت ہے اور جنرل کی بھی ضرورت ہے میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ بہترین استاذ وہ ہے جو اپنی کتاب کو آسان ترین الفاظ میں بتادے، پھر تمثیل یعنی مثالیں زیادہ سے زیادہ دے کر مسئلہ سمجھادے، مجرد مسائل کی فہم یہ بہت سے اذہان کے لیے مشکل ہوتی ہے، امام غزالی کا قول ہے کہ عقول ضعیفہ کے لیے مثالیں بہت مفید ہوتی ہیں شروع شروع میں بچہ کی عقل ضعیف ہوتی ہے تو ہم بہت سارے علوم یعنی منطق ، فلسفہ ، کافیہ ،صرف ،نحو کے قوانین یاد کروادیتے ہیں اور بعض دفعہ رٹوا بھی دیتے ہیں کبھی کبھی کافیہ کا پورا متن بھی رٹوا دیتے ہیں، طلباء کافیہ تو یاد کرکے سنا دیتے ہیں لیکن جب پڑھنے کی باری آتی ہے تو عبارت غلط پڑھتے ہیں، دورہ حدیث تک پہنچ کر بھی غلط پڑھتے ہیں لہٰذا تمثیل بہت ضروری ہے، میں جس زمانے میں عربی پڑھاتا تھا کہ یہ مضاف ہے مضاف الیہ یا صفت ہے ،موصوف ہے، بدل مبدل منہ وغیرہ وغیرہ پھر میں کہتا تھا کہ قرآن

Marfat.com

پاک سے اس کی مثالیں نکال کر لاؤ، طلباء بہت دلچسپی لیا کرتے تھے۔

ہمارے وہاں ایک شریعہ اکیڈمی ہے جہاں ہم لوگ ججوں کو کورس وغیرہ کرواتے ہیں تو میں وہاں کیا کرتا تھا کہ ان میں سے ایک کو بنا دیتا تھا جج اور ایک کو مجرم اور ایک کو گواہ بنا دیتا تھا اور ایک کو لیڈر بنا دیتا تھا تو یہ آسان سا ایک سبق بنا کر پیش کرتا تھا اور یہ لڑکے بہت دلچسپی لیتے تھے ایک ان میں سے جج بن کر بات کرتا تھا ایک مجرم بن کر بات کرتا تھا ایک گواہ بن جاتا تھا اور یہ بہت آسان اور دلچسپ سبق ہو جاتا تھا۔ اگر میں ان کو یہ پڑھانا شروع کر دیتا کہ الکلمة لفظ وضع لمعنی مفردٍ، مفرداً، مفردٌ، تو وہ جج بھاگ جاتے، تو کافیہ کوئی منزل من اللہ چیز نہیں ہے، مقصد ان کو عربی سکھانا ہے جو بھی طریقہ ہو سکے آسانی کے ساتھ سہولت کے ساتھ پھر آسان مثالوں اور عملی مشقوں کے ساتھ ان کو سمجھانا چاہیئے۔

اور یہ ادارہ جو الحمد للہ حضرت حکیم الامت کے طرز پر قائم ہے ذرا تھوڑا سا ان کی طرز پر ہم ان کے طریقہ کی رعایت کریں۔ یہ بات ذہن میں بٹھالیں کہ اگر آج کا سبق میں طالب علم کے ذہن میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا ہوں تو میں کامیاب ہوں اور اگر کامیاب نہیں ہوا تو استاذ ہرگز اپنے آپ سے مطمئن نہ ہو اپنے طریقہ تدریس پر نظر ثانی کرے اور اس کو آسان، دلچسپ اور قابل قبول بنانے کی کوشش کرے۔ حضرت قاسم نانوتویؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی گفتگو میں بڑا اثر ہوتا ہے لوگ بڑی جلدی بات کو سمجھتے بھی ہیں اور قبول بھی کرتے ہیں تو یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں یہ بڑی دلی خواہش رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ بھی سمجھ جائیں۔ اگر ہمارے ذہن کے اندر بھی یہی بات ہو یہی لگن ہماری ہو کہ ہمیں اس سبق کو اس کے ذہن میں تسجیل کرنی ہے تو پھر وہ ہو ہی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔ الامن تولی و کفر۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ضروری ہے آپ سے ڈرنا ضروری نہیں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوگا وہ آپ سے ضرور ڈرے گا اور اس میں بہت بڑا باریک فرق ہے۔ غور فرمایئے کہ شرک اور بدعت اور گمراہی آخر کیوں پھیلی ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسانوں کے ادب میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ اور ہم میں سے بھی بعض فرقوں نے اس کام کو کیا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

Marfat.com

Marfat.com

فقہ واصول فقہ

کی

تدریس کا مثالی طریقہ

مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

13-02-2010

بمقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلاهادی له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله واصحابه اجمعين

اما بعد

فاعوذبالله من الشيطن الرجيم ، بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ صدق الله العظيم وصدق رسوله النبی الكريم ونحن على ذالك لمن الشاهدين والشاكرين ، والحمدلله رب العالمين ۔

بزرگان محترم معزز علماء کرام!

اس وقت کا یہ اجتماع اور نشست بڑی اہم ہے ۔ میرے خیال میں "تدریب المعلمین" کے عنوان سے پہلی مرتبہ یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے ۔ واقعۃً اس بات کی انتہائی ضرورت ہے کہ معلمین اور اساتذہ کرام (جن کا طلبہ کی تربیت میں نہایت اہم کردار ہوتا ہے) اگر ان کی تربیت صحیح طور پر کردی جائے تو آئندہ آنے والے طلباء یقیناً مثالی طلباء شمار ہوں گے ۔ دارالعلوم الاسلامیہ جو ہمارا ایک قدیم دینی ادارہ ہے اس کے مدیر ہمارے مخدوم محترم مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی اور شیخ القراء قاری احمد میاں تھانوی قابل صد تحسین ہیں جنہوں نے اس ادارہ

Marfat.com

میں اس عظیم پروگرام کا اہتمام کیا، اس اجتماع کے مقاصد پر مجھ سے پہلے حضرت قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں، واقعۃً ایسے پروگراموں کی بڑی ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے اسے خاص نہج پر سیکھنے اور آگے پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ حقیقت تو سب پر واضح ہے کہ دین کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اجماع امت بھی بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے اور جو قیاس مستنبط من هذه الأصول الثلاثه ہے اس کا بھی اپنا ایک درجہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک عظیم نظام کہ اس نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حضور اکرمؐ کے عہد اقدس میں حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت کو پیدا فرمایا، انہوں نے براہ راست حضور اکرمؐ سے دین کو حاصل کیا، آپؐ کے بارے میں قرآن مجید نے وضاحت فرمائی ہے ''ویعلمه الکتاب والحکمة'' کہ آپ کی بعثت کے مقاصد میں بنیادی مقصد کتاب وسنت کی تعلیم ہے، تو صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے قرآن وسنت کی تعلیم بھی حاصل کی اور آپؐ نے ان کا تزکیہ بھی فرمایا، اور پھر اس عظیم جماعت سے دین کی حفاظت کا کام لیا گیا، صحابہ کرامؓ کی اس عظیم جماعت میں چند ہستیاں ایسی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازا اور انہیں بطور خاص فقہ میں بڑی عظیم مہارت عطاء فرمائی۔ انہوں نے قرآن وسنت کو سمجھا اور ان میں خوب غور وخوض فرمایا اور بعض واقعات سے واضح ہے کہ جہاں ضرورت پیش آئی انہوں نے قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر اجتہاد بھی فرمایا، چنانچہ جب حضور اکرمؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے پوچھا کہ تم وہاں کیا طریقہ اختیار کرو گے؟ کس طرح فیصلے کرو گے؟ حضرت معاذ بن جبلؓ نے واضح طور پر عرض کیا کہ میں قرآن پاک کو دیکھوں گا، پھر سنت کو اور اس کے بعد فرمایا ''اجتهد برأیی'' اسی طرح اور بھی

Marfat.com

بعض مجتہدین اور فقہاء صحابہ کرامؓ جن کا علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے۔

''اعلام الموقعین'' ہے یا ''موقفین'' ہے یہ بھی ایک قابل تحقیق مسئلہ ہے، شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے ''قواعد فی علوم الحدیث'' مقدمہ ''اعلاء السنن'' کی تعلیقات میں اس لفظ کی خاص تحقیق فرمائی ہے اور بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اہل علم اس کی طرف مراجعت کریں، اور اس کے لیے اعلاء السنن کا مقدمہ دیکھیں۔

بہرحال علامہ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں ان صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا جو اپنے دور میں قرآن وسنت کے ماہر، فقہ کے امام اور فتاویٰ کے لیے مرجع تھے۔ فقہ و فتاویٰ کا علم بہت زیادہ وسیع ہے اس لیے کہ قرآن وسنت میں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوں، اب ظاہر ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام واقعات اور حوادث کا بیان قرآن پاک میں واضح طور پر تو نہیں ہے، قرآن پاک تبیان لکل شئ، ہر چیز کا بیان اجمال کے ساتھ ہے۔ یعنی ہر چیز کے اصول اس میں آگئے ہیں۔ بعض چیزوں کے اصول حضور اکرم ﷺ کی سنتوں اور احادیث طیبہ میں آئے ہیں جبکہ بعض چیزوں کی تفصیل بھی موجود ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ قیامت تک کے ہر واقعہ کا حکم اس میں آجائے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ سلسلہ شروع ہوا کہ انہوں نے قرآن وسنت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو سامنے رکھتے ہوئے نئے وقائع، حوادث اور حالات کا استنباط فرمایا، اصل میں فقہ بڑا وسیع اور بڑا عمیق اور بہترین علم ہے، اور ''تفقہ'' اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس کو بھی وہ عطا فرمادیں کما قال رسول اللہ ﷺ من یرد اللہ خیرا یفقهه فی الدین، حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ جریر نامی ایک بڑے عابد عبادت کر رہے تھے اس دوران

Marfat.com

ان کی والدہ نے ان کو پکارا، انہوں نے جواب نہ دیا، چنانچہ ان کی والدہ نے ان کو بددعا دیدی جس پر ان کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا کہ ایک بچے کے بارے میں ان پر تہمت لگادی گئی، لیکن جب وہ بچہ ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا والد کون ہے؟ ان کی کرامت تھی کہ بچے نے بول کر بتادیا کہ اس کا والد کون ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ لوگ پہلے ان سے انتہائی متنفر ہوئے، کیونکہ لوگ اصل بات کی تحقیق نہیں کرتے، فرمان باری تعالیٰ ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا پر تو عمل ہے ہی نہیں، چنانچہ جب ان پر تہمت لگی تو لوگ ان پر برہم اور برافروختہ ہوئے حتی کہ جس جگہ وہ عبادت کررہے تھے اس کو بھی انہوں نے گرادیا، اب جب کرامت دیکھی تو کہنے لگے کہ ہم آپ کی عبادت گاہ کو سونے کا بنادیتے ہیں، حضرت جریر نے فرمایا کہ بس اس کو ویسا ہی بنادو جیسی کہ پہلے تھی، بہرحال جب حضورؐ کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا لو کان فقیھاً لأجاب امه کہ جریر فقیہ ہوتے تو اپنی ماں کو جواب دیتے، یہ تفصیل اپنی جگہ ہے کہ نفل نماز کا کیا حکم ہے اور فرض کا کیا حکم ہے؟ کب جواب دینا چاہیے اور کب نہیں۔ اس بات کا تعلق بھی فقہ سے ہے۔

بہرحال فقہ ایسا عظیم الشان علم ہے اگر انسان کے سامنے فقہ کے اصول ہوں تو قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور حالات کے احکام کے بارے میں اس کو کوئی پریشانی پیش نہیں آسکتی، لیکن یاد رکھیے! ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ فقیہ بن جائے اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں فقیہ ہوں اور مجتہد ہوگیا ہوں، آج کل یہ بھی مسئلہ ہے کہ اذا صلی الحائك ركعتين وانتظر الوحی، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں کہ اب یہ عجیب مسئلہ چل پڑا ہے۔

بہرحال فقہ کا یہ عظیم علم صحابہ کرام کے دور میں شروع ہوا پھر تابعین، تبع تابعین

Marfat.com

میں بہت سے فقہاء کرام پیدا ہوئے، حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ تابعین میں سے ہیں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں آپ کی وفات ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی، اس پر ایک لطیفہ بھی ہے کہ بعض احناف نے شوافع سے کہا کہ جب تک ہمارے امام زندہ رہے آپ کے امام نہیں آسکے، تو وہ کہنے لگے کہ جب ہمارے امام آگئے تو آپ کے امام چلے گئے۔

میں نے عرض کیا کہ امام ابوحنفیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا، آپ نے قرآن وسنت اور فقہ کی بہت خدمت کی اور بے شمار مسائل کا استنباط کیا، آپ کے علاوہ بھی بہت سے حضرات فقہاء امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام اوزاعی رحمھم اللہ اوران کے علاوہ بہت سے ائمہ نے فقہ کی تدوین کے لیے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں، جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

لیکن حضرت امام صاحب کے ہاں فقہ و فتاویٰ اور استنباط مسائل کے حوالے سے جو کام ہوا ہے وہ نہایت عظیم الشان اور بے مثال ہے، فقہ حنفی، واحد فقہ ہے جس میں یہ نظام ہے کہ بہت سے اہل علم علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے مسائل رکھے گئے، پھر ان کے بارے میں مشاورتیں ہوئیں اجلاس ہوئے، ہمارے آج کل کے اجلاس تو عام طور پر نشستن، گفتن و برخاستن سے زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہوتے، لیکن ان مجالس میں لاکھوں مسائل کا استنباط کیا گیا، علماء کی اس کمیٹی کے اندر ۱۲لاکھ سے زائد مسائل کا استنباط ہوا، یہ کمیٹی کا لفظ آپ کے سمجھانے کے لیے عرض کر دیا، اس لفظ کے بغیر شاید آپ بات کو سمجھ نہ سکیں، یہ ہماری آج کل کی مجبوری ہے، حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ہمارے پاس سوال کرنے کے لیے آتے ہیں تو اردو سے زیادہ انگلش کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، فرماتے تھے کہ میں تو ان کی بات سمجھتا ہی نہیں کہ کیا کہنا

Marfat.com

چاہ رہے ہیں؟ ان کا مقصد کیا ہے؟ جب اردو میں بات ہو رہی ہے تو اردو بولیں، اور اگر آپ انگلش میں بات کرنا چاہ رہیں تو ٹھیک ہے انگلش میں بات کریں، لیکن جب آپ اردو میں بات کر رہے ہیں، اور میں بھی اردو میں بات کر رہا ہوں تو پھر کم از کم اردو تو بولیں اس میں بھی آپ نے انگلش اور دوسری زبانوں کے الفاظ ٹھونس دیے، یہ کیا بات ہوئی؟

بہرحال فقہاء کی اس لجنہ میں (جس کو آج کل کمیٹی کہہ دیا جاتا ہے) کیسے کیسے حضرات شامل تھے؟ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر جیسے حضرات جن میں ایک ایک اپنے وقت کا عظیم فقیہہ ہے، بلکہ حضرات فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد بھی مجتہد ہیں، مجتہد سے میری مراد مقید (مجتہد فی المذہب) نہیں، بلکہ ان حضرات کو مجتہد مطلق شمار کیا گیا ہے، لیکن ان حضرات نے اپنے استاذ محترم کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کیا، اس لیے یہ حضرات مجتہد منتسب کہلاتے ہیں، مجتہد منتسب اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے علم اور اپنے مقام کے اعتبار سے مجتہد (مطلق) ہو لیکن کسی دوسرے مجتہد کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر لے۔

پھر امام محمدؒ نے امام صاحب کے مذہب کو اس انداز سے مدون اور مرتب کیا کہ ان کو محرر مذہب ابوحنیفہ کہا جانے لگا، حضرت امام محمد نے نو سو ننانوے کتابیں تصنیف فرمائیں، کما فی مقدمة الدر المختار للعلامة علاء الدين الحصكفیؒ۔ جن میں مشہور چھ کتابیں ہیں جو کہ فقہ حنفی میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اب ماشاء اللہ یہ کتابیں شائع بھی ہو گئی ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ امام محمد کی کتاب ''السیر الکبیر'' یا غالباً'' مبسوط'' کے بارے میں یہ واقعہ بیان فرمایا کہ اس کتاب کا نسخہ اونٹ پر لاد کر خلیفہ کے دربار میں لایا جا رہا تھا، راستے میں کوئی

Marfat.com

عیسائی ملا، اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ امام محمد کی کتاب کا مسودہ ہے جو انہوں نے تصنیف کی ہے، اس کو ہم خلیفہ کے دربار میں پیش کر رہے ہیں تا کہ ان کو پتہ چلے کہ یہ ان کے دور میں اتنے بڑے عالم ہیں، ہمارے یہاں کے وزراء اور صدور کے سامنے کوئی کتاب پیش کی جائے، مثلاً ''اعلاء السنن'' یا کوئی اور کتاب ان کے پاس لے کے چلے جائیں تو شاید نام کا تلفظ بھی بار بار دہرانا پڑے گا، کیونکہ وفاق المدارس کے آخری درجے کی سند الشهادة العالمية جب سینٹ میں پیش کی گئی تو اس وقت کے وزیر تعلیم اس کو الشهادة الأ لمیه پڑھ رہے تھے، اور یہ تلفظ بھی انہوں نے کئی تکلفات اور بڑی محنت کے بعد گویا آخری درجے میں کیا، اس سے پہلے وہ کوئی اور لفظ کہتے رہے، نوائے وقت کے ''سر راہے'' نے اس پر بہت اچھا لکھا کہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ پاکستان کے وزیر تعلیم کو عربی کا ایک لفظ بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا۔

تو جب مبسوط کا وہ مسودہ خلیفۂ وقت کے پاس لے جایا جا رہا تھا، اس عیسائی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ امام محمد کی کتاب ہے، تو اس نے جواب میں کہا هذا محمدكم الأصغر یہ تو تمہارے چھوٹے محمد کا حال ہے فكيف محمد كم الأكبر تو تمہارے بڑے محمد کا کیا حال ہوگا؟ اس پر اس نے کلمہ پڑھا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

انہی امام محمد کا قول یاد آیا فرماتے ہیں ان صناعتنا هذه من المهد الى اللحد کہ اس علم کا معاملہ ختم نہیں ہوا یہ مسلسل ارتقاء (پذیر) ہے۔

خود امام ابو یوسف کا جب انتقال ہو رہا تھا اس وقت ایک مسئلہ پر بحث ہو گئی کہ حج میں رمی راکباً ہو گی یا راجلاً؟ افضل طریقہ کیا ہے؟ اس پر گفتگو ہوئی آخری گفتگو کر کے وہ صاحب باہر نکلے ابھی دہلیز پر نہیں پہنچے تھے کہ امام صاحب کا

Marfat.com

انتقال ہوگیا،

بہر حال میرے بزرگو اور دوستو! امام محمد کا یہ ارشاد ہے، ''ان صناعتنا هذه من المهد الى اللحد '' کہ یہ ختم ہونے والا مسئلہ نہیں، یہ تو آخری وقت تک چلتا ہے۔

تو دیکھ لیجیے! ان حضرات نے کتنے لاکھ مسائل کا استنباط فرمایا، اور فقہ تو ایک بہت گہرا علم ہے کسی بھی ایک علم پر اگر انسان صحیح طور پر محنت کر لیتا ہے تو وہ علم بھی اس کو تمام علوم کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ خود امام محمدؒ نے اپنے خالہ زاد بھائی حضرت امام کسائی جو قاری بھی ہیں اور بہت بڑے نحوی بھی ہیں۔ امام محمد نے دیکھا کہ امام کسائی کا زیادہ تر نحو میں اشتغال ہے، بعض اوقات آدمی کسی چیز میں محو ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک شخص کشتی میں سوار ہوئے تو ملاح سے پوچھا کہ آپ کو نحو بھی آتی ہے؟ ملاح نے جواب دیا کہ مجھے نحو نہیں آتی، تو کہنے لگے کہ آپ کی آدھی زندگی تباہ ہوگئی، اس ملاح کو بڑا افسوس ہوا اور رنج ہوا کہ اس شخص نے بہت بڑا اعتراض کر دیا کہ تیری آدھی زندگی داؤ پر لگ گئی، کچھ دیر بعد ایسا ہوا کہ کشتی بھنور میں پھنسنے لگی تو ملاح نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کو تیرنا بھی آتا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا نہیں مجھے تیرنا نہیں آتا، تو اس ملاح نے کہا کہ آپ کی تمام زندگی تباہ ہوگئی، اب آپ بالکل فارغ ہیں۔

تو جب امام محمدؒ نے دیکھا کہ امام کسائی کا نحو میں اشتغال زیادہ ہے تو فرمانے لگے، لم لاتشتغل بالفقه ؟ یعنی فقہ میں آپ کیوں مشغول نہیں ہوتے؟ فقہ پر کام کرو، اس کو پڑھو اس کو پڑھاؤ امام کسائی نے جواب میں فرمایا من أحكم علما فذاك يهديه الى سائر العلوم کہ آدمی ایک علم میں مضبوط ہو جائے تو وہ ایک علم ہی اس کو تمام علوم کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ

Marfat.com

ان کا بہت بڑا دعویٰ تھا وہ بھی امام محمد تھے، فرمانے لگے میں آپ کا امتحان لیتا ہوں، ایک شخص پر نماز میں سجدہ سہو واجب ہوگیا، اس کے بعد وہ شخص نماز میں پھر بھول گیا، تو اس شخص کے ذمے نماز کے آخر میں ایک سجدہ ہوگا یا کئی سجدے ہوں گے؟ اس پر امام کسائی فرمانے لگے کہ بھائی ایک سجدہ ہوگا، امام محمد نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے نحو کے کون سے قاعدے اور ضابطے سے یہ جواب دیا ہے؟ تو امام کسائی نے بلا تامل یہ فرمایا کہ المصغر لا یصغر ایک دفعہ جب کسی اسم کی تصغیر ہو جائے تو دوبارہ نہیں ہوتی، یہ قاعدہ تو ہم نے بھی پڑھا ہے لیکن پڑھنے پڑھنے میں فرق ہے ۔صاحب البحر علامہ ابن نجیمؒ نے یہ واقعہ البحر الرائق میں بیان فرمایا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں جا رہا تھا راستے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے ملاقات ہوگئی حضرت نے بلا لیا، حضرت تھانوی کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۵ھ میں ہوا ہے، اور حضرت نانوتویؒ کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہے تو یہ حضرت نانوتوی کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہوگا، بہر حال حضرت نانوتویؒ نے آپ کو بلا لیا، فرمایا کیا پڑھتے ہیں آپ؟ حضرت فرماتے ہیں میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں ہدایہ پڑھتا ہوں، یہ فقہ کی مشہور کتاب ہے، میں نے ایک دوست سے پوچھا کہ آپ نے منطق میں کیا پڑھا؟ فرمانے لگے کہ مختصر المعانی بڑا مختصر جواب دیا، لیکن معانی نہیں تھے، یا پھر اس کے کچھ اور ہی معانی ہوں گے۔

بہر حال حضرت تھانوی نے فرمایا کہ میں ہدایہ پڑھ رہا ہوں، اس پر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب ایک ہے ہدایہ کا پڑھنا اور ایک ہے ہدایہ کا گننا، پڑھنے اور گننے میں فرق ہے، اس پر حضرت قاسم نانوتویؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک جگہ دعوت تھی اور دعوت میں بڑے علماء کو مدعو کیا گیا تھا، دعوت کا قبول کرنا تو آپ جانتے ہیں کہ سنت ہے اس کا ترک کسی حال میں نہیں

Marfat.com

ہوسکتا، اس دعوت میں اہل علم جمع تھے، کسی صاحب نے کوئی سوال کیا اور مسئلہ پوچھا، ایک عالم نے اس کا جواب دیا، وہ صاحب کہنے لگے کہ جی اس کا حوالہ کہاں ہے؟ وہ عالم فرمانے لگے کہ ہدایہ میں ہے، وہاں پر ایک عالم موجود تھے، جو بہت بڑے عالم تھے اور تھے نابینا، ظاہر ہے کہ ان کو ساری کتابیں زبانی ازبر ہونی چاہییں، اس لیے ان کو ہدایہ زبانی یاد تھی، وہ فرمانے لگے کہ یہ ہدایہ میں نہیں ہے، اب بینا اور نابینا میں تعارض ہوگیا، وہ عالم فرمانے لگے کہ ہدایہ لے آؤ میں دکھا دیتا ہوں، ہدایہ لائی گئی تو اس عالم نے ہدایہ کی ایک عبارت پڑھی اور اس کی ایک قید سے بتادیا کہ مسئلہ یوں ہے، تو وہ نابینا عالم رونے لگے اور فرمایا کہ اصل میں ہدایہ تو انہوں نے پڑھی ہماری تو ساری زندگی ضائع ہوگئی، اس کو کہتے ہیں گننا، نہ یہ کہ سرسری طور پر تو ساری کتاب سے گذر جائے (لیکن سمجھ کر نہ پڑھا جائے) ہمارے طلباء کا زیادہ تر عمل اسی پر ہے کہ ان فی العبور لبرکۃ کہ عبور میں بھی برکت ہے عبور اور مرور ہی ہوجائے، بھائی یہ کوئی میدان عرفات تو نہیں ہے کہ مرور ہوگیا تو حج ہوگیا، بہرحال صرف پڑھنا تو مقصود نہیں۔

ہمارے حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ صاحب ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے اور بارہا انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ حکومت برطانیہ نے ایک مرتبہ منصوبہ بنایا کہ تمام مسلم اوقاف کو حکومت کی تحویل اور کنٹرول میں لیا جائے، اس کے خلاف تحریک چلی، حکومت نے بھی کچھ مسودات جاری کیے، جن کا جواب فقہی اعتبار سے تیار کرنا تھا، اس کے لیے حضرت تھانویؒ نے علماء کا ایک اجتماع کیا اور ان کی ایک کمیٹی تشکیل دی اس کو کمیٹی کہہ لیں یا لجنہ، جو بھی کہیں بہرحال مقصد تو ایک ہی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

اوری بسعدی والرباب وانما ۔۔۔ انت الذی تعنی وانت المؤمل
عبارا تنا شتی وحسنک واحد ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

Marfat.com

حضرت نے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور میرے جد امجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کے ذمے لگایا کہ آپ فقہی عبارات دیکھیں اور جمع کریں، پھر حکومت کے اس مسودے کا جواب لکھا جائے گا، حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ذمہ البحرالرائق لگائی گئی، جو علامہ ابن نجیم کی مشہور کتاب ہے، حضرت امام کسائی کا واقعہ میں نے اسی کتاب کے حوالہ سے بتایا ہے، تو البحرالرائق حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی صاحبؒ کے ذمہ تھی، باقی کتابیں دوسرے حضرات دیکھ رہے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں سے دیکھ کر کچھ عبارتیں لکھیں پھر کسی کام سے باہر گیا، واپس آیا تو البحرالرائق کے جو صفحات میں دیکھ چکا تھا انہی صفحات میں سے مزید کچھ عبارتیں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب تحریر فرما چکے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بہت سی عبارتیں انہی صفحات کی لکھی ہوئی تھیں جن کو میں دیکھ چکا تھا، اس پر حضرت مفتی صاحب احقر کے جد امجد سے کہنے لگے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، میں یہ کام نہیں کرتا، میں نے ان صفحات میں سے جتنی عبارتیں لکھیں، میرا اپنے طور پر خیال تھا کہ ہمارے مقصد کی بس یہی عبارتیں ہیں، لیکن ان عبارتوں کو دیکھ کر اب یہ معلوم ہوا کہ بہت سے عبارتیں ایسی تھیں جو ہمارے مقصد کی تھیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آئیں، اس لیے میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، میں یہ کام نہیں کرتا، اس پر حضرت دادا جان نے فرمایا کہ مولوی صاحب ایسا نہیں ہے، حضرت مفتی صاحب اس وقت مظاہر العلوم میں پڑھاتے تھے اور شیخ الادب تھے دادا جان فرمانے لگے کہ آپ اس شعبہ کے آدمی بھی نہیں ہیں اس کے باوجود آپ نے جتنی عبارتیں نقل کی ہیں وہ سب کی سب مفید مطلب ہیں، ایسا بھی تو ہوسکتا تھا کہ غیر مفید عبارتیں نقل کردیتے جیسا کہ آج کل عام طور پر نقل میں ایسا ہی ہوتا ہے، آپ کی سب کی سب عبارتیں مدعیٰ پر

Marfat.com

دال ہیں، اور آپ نے صحیح انتخاب کیا ہے، اس لیے آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے یہ کام تو ظاہر ہے کہ عرصہ دراز تک کرنے کے بعد انسان کی سمجھ میں آتا ہے۔

اس پر حضرت دادا جان فرمانے لگے کہ آپ پریشان نہ ہوں مجھے یہاں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں فتاویٰ کا کام کرتے ہوئے ۱۵ سال ہو گئے ہیں، اور جب سوالات آتے ہیں تو ہم ان کے جوابات کے لیے فقہی کتابوں میں عبارتیں تلاش کرتے ہیں لیکن جواب نہیں ملتا بالآخر ہم حضرت تھانوی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ حضرت اس مسئلے کا کوئی جزئیہ نہیں مل رہا، تو حضرت کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ لائیو' ہدایہ'' عرض کرتے ہیں کہ حضرت''ہدایہ'' تو ہم نے دیکھ لی ہے، فرماتے ہیں کہ میں جو کہہ رہا ہوں، لے کر آؤ''ہدایہ''، ہدایہ لے کر آئے تو حضرت ہدایہ کی عبارت کی کسی قید سے یہ بتادیتے کہ اس قید سے یہ مسئلہ نکل رہا ہے، تم کہہ رہے ہو کہ ہدایہ میں نہیں ہے، پھر ہماری سمجھ میں بھی آیا کہ یہ تو ہدایہ کے اندر لکھا ہوا ہے۔

حضرت (احقر کے والد) صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک دور تھا کہ ہدایہ پڑھانے والے کے گھر پر جھنڈا لگتا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ یہ بڑا عالم ہے جو ہدایہ کو پڑھا سکتا ہے، اور اس کو حل کر سکتا ہے، میرے خیال میں اب تو سب مکانات پر جھنڈے ہونے چاہییں، میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ ہدایہ کا اصل نام کیا ہے؟ یہ کونسی کتاب سے ماخوذ ہے تو بیچارہ کبھی کچھ بتاتا کبھی کچھ، بہرحال جب سے علامہ عبدالحی لکھنوی نے ہدایہ پر حاشیہ لکھا ہے اس وقت سے تقریباً ہم سب مرور تو کرا ہی رہے ہیں۔

آپ حضرات کو معلوم ہی ہے کہ شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانیؒ صاحب ہدایہ بڑے آدمی تھے انہوں نے ۱۳ سال کی مدت میں یہ کتاب لکھی ہے، اصل میں یہ

Marfat.com

کتاب ''کفایۃ المنتھی '' کا اختصار ہے جو قاہرہ کے کتب خانہ میں اسی جلدوں میں موجود ہے پھر اس کا خلاصہ صاحب ہدایہ نے ۱۳ سال کی مدت میں لکھا پھر فرمایا کہ تمہاری مرضی ہے وہ پڑھ لو یا یہ پڑھ لو، وللناس فیما یعشقون مذاھب ، ہماری حکومتوں کا علم کی قدردانی کا یہ حال ہے کہ کفایۃ المنتھی کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے تو آپ کو بتا دیا کہ وہ قاہرہ کے کتب خانہ میں موجود ہے کوشش کیجیے من جد وجد ،مل جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تو ہدایہ بڑی زبردست اور عظیم کتاب ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ جیسے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ عظیم الشان ہے جس کی تدوین کے لیے علماء کے اجلاس بلائے گئے ،مشورے کیے گئے ، پھر مسائل کا استنباط ہوا یہ ہی معاملہ ہدایہ کا ہے کہ فقہ حنفی میں جتنی کتابیں ہیں ان سب میں ہدایہ سب سے عظیم کتاب ہے اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے دیگر فقہاء کے ہاں بھی فقہ کی جو کتابیں ہیں ان میں ہدایہ جیسی کوئی کتاب نہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ ۱۳۵۲ھ میں آپ فوت ہوئے ،اب ان کی وفات پر ایک کم اسی سال ہوگئے ہیں ان کے بارے میں علامہ اقبال کا شعر ہم بھی سنتے ہیں آپ بھی سنتے ہوں گے ،اقبال نے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگرچہ فیہ ما فیہ اس شعر میں اشکال بھی ہے اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحب نے اس کا جواب بھی دیا ہے، لیکن یہ الگ بحث ہے، علامہ اقبال نے یہ شعر کب کہا؟ کس کے لیے کہا؟ یہ بات وہ لوگ نہیں بتاتے ، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو مما یعلم ویکتم کے قبیل سے ہے۔

Marfat.com

علامہ انور شاہ کشمیری کو اللہ تعالیٰ نے جو حافظہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے ان کے بارے میں صحیح معنی میں کہا جاتا تھا کہ یہ شخص چلتا پھرتا کتب خانہ ہے، میں تو علماء میں سے نہیں جو علماء ہیں ان میں سے ہر ایک چلتا پھرتا دواخانہ ہے کوئی شوگر کی گولی لیے پھر رہا ہے، اور کوئی بلڈ پریشر کا مریض، حفظنا اللہ ، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ایک لاکھ کے قریب کتابیں تھیں میں نے بھی الحمدللہ دیوبند کے کتب خانہ کی زیارت کی ہے اور آج کل یہ کمپیوٹر بھی ماشاء اللہ مفید ہے، لیکن اگر وائرس آ گیا تو سب ڈیٹا ختم ہو جاتا ہے، پھر پریشانی بھی بہت ہوتی ہے کہ اتنی محنت کی تھی وہ ساری ضائع ہو گئی لیکن وہاں تو یہ تھا کہ اللہ نے ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ سب کتابیں اسی میں فیڈ اور محفوظ تھیں ،فرماتے تھے کہ جب میں کوئی ایک کتاب سرسری طور پر دیکھتا ہوں تو وہ کتاب میرے حافظہ سے ۱۵ سال تک غائب نہیں ہوتی ،ایک مرتبہ طلبہ کے سامنے فتح القدیر کی ایک بہت تفصیلی عبارت پڑھی پھر فرمانے لگے کہ جاہلین کی جماعت (یہ حضرت کا تکیہ کلام تھا کہ آپ طلبہ کو جاہلین فرمایا کرتے تھے) تم کیا سمجھتے ہوں کہ میں یہ عبارت ابھی دیکھ کر آیا ہوں؟ میں نے برسہا برس پہلے فتح القدیر میں یہ عبارت پڑھی تھی اسی وقت کی پڑھی ہوئی پیش کر رہا ہوں بلاشبہ اللہ نے آپ کو بڑا علم اور بڑا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے

لم یفھم القرآن الاعرجان ، احدھما من زمخشری والاخر من جرجان،
یعنی قرآن پاک کو صرف دو لنگڑوں نے سمجھا ہے ، یعنی زمخشری اور جرجانی ، عبدالقاہر جرجانی اور جاراللہ زمخشری ، یہ زمخشری مسجد کے پڑوس میں رہتے تھے اس لئے جاراللہ مشہور ہو گئے ، یہ دونوں شخص حنفی المسلک اور معتزلی الاعتقاد ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ دونوں لنگڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے علم اتنا عطا فرمایا تھا کہ

Marfat.com

بلاغت کے امام کہلاتے تھے، تو علامہ انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ وانــــا ثالثهما من فضل الله من هندوستان، اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کتنے ہی بلاغت کے ایسے ابواب ہیں جن کی علامہ عبدالقاہر جرجانی کو ہوا تک بھی نہیں لگی، خیر یہ بات تو علامہ انور شاہ کشمیری ہی فرما سکتے تھے۔

پھر ان کے معاصرین میں دیکھیے، علامہ شبیر احمد عثمانی کتنے بڑے عالم اور کیسے ذہین تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنا علم عطا فرمایا تھا اور کیسی کیسی صلاحیتیں ان میں ودیعت فرمادی تھیں، تحریر کے بھی امام تھے اور تقریر کے بھی امام، اللہ تعالیٰ نے تکلم کا بھی عجیب انداز عطا فرمایا تھا اور تحریر کا بھی، خود حضرت کشمیری کا بھی یہی حال تھا کہ ان کی تحریر بھی بڑی علمی اور ٹھوس ہوتی تھی، حضرت نے ایک کتاب لکھ کر حضرت علامہ سہارنپوری کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے یہ کتاب لکھی ہے آپ اس کی تصدیق فرمادیں، حضرت سہارنپوری نے پڑھنے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب "کچھ ایسا تو لکھتے کہ لوگ سمجھ لیتے" یہ علم تھا ان حضرات کا، اور اس کے ساتھ ساتھ پھر تقریر بھی دلپذیر، "تقریر دلپذیر" حضرت نانوتویؒ کی ایک کتاب کا نام بھی ہے، جیسے وہ کتاب مشکل تھی ایسے ہی حضرت کشمیری کی تقریر بھی اتنی ہی مشکل تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ سترہ سال کے بعد مجھے ایسے طالب علم ملے ہیں جو میری بات کو سمجھتے ہیں اب تو یہ دور آگیا کہ طالب علم کہتے ہیں کہ استاذ جی میری بات سمجھیں۔

خود علامہ اقبال بڑے ذہین آدمی تھے، علامہ انور شاہ کشمیری ان کے بارے میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ علامہ اقبال میری بات کو سمجھتا ہے اور بہت سے اہل علم میری بات کو نہیں سمجھتے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے بارے میں

Marfat.com

فرماتے ہیں:

لم ترالعیون مثله ، ولم یرهومثل نفسه ، ولو کان فی سالف الزمان لکان له شان فی طبقة اهل العلم عظیم ، یہ وہ شخص تھا کہ "لم ترالعیون مثله" آنکھوں نے اس جیسا نہیں دیکھا" ولم یر هو مثل نفسه " خود وہ بھی تو باوجود وسیع النظر ہونے کے اپنے جیسا کسی کو نہ دیکھ سکے، اسی لیے حضرت شبیر احمد عثمانی نے ان کے تعزیتی اجلاس میں فرمایا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کہ کیا تم نے ابن دقیق العید، ابن حجر عسقلانی ، امام الحرمین اور امام غزالی کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سب کو دیکھا ہے، اس لیے کہ میری آنکھ نے علامہ انور شاہ کشمیری کو دیکھا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ تم کس لیے رو رہے ہو؟ تمہارے لیے تو ان شاء اللہ ہم کافی ہیں، مسئلہ تو ہمارا ہے کہ ہماری مشکلات اب کون حل کرے گا؟

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اتنے بڑے عالم، فاضل ہونے کے باوجود فرماتے تھے کہ میں جس موضوع پر چاہوں کتاب لکھ سکتا ہوں لیکن دو کتابیں میں نہیں لکھ سکتا، ایک "گلستان سعدی" جو فارسی کی کتاب ہے، اس لیے کہ سعدی کا فصاحت اور بلاغت میں جو اچھوتا انداز ہے اور ان کے کلام میں جو روانی، تسلسل، اور سلاست ہے میں اس تک نہیں پہنچ سکتا، اس لیے میں ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا، شیخ سعدی نے خود بھی فرمایا تھا:

گل ہمیں پنج روز وشش باشد　　ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد

کہ پھول تو پانچ چھ دن ہی تروتازہ رہتے ہیں، اور ہمارا باغ یعنی "گلستان سعدی" ہمیشہ تروتازہ رہے گا، واقعی بڑی زبردست کتاب لکھ گئے ہیں، دوسری کتاب فرمایا کہ "ہدایہ" ہے کہ میں ہدایہ جیسی کتاب نہیں لکھ سکتا، اب تو لوگ ایسی ایسی کتابیں لکھ

Marfat.com

رہے ہیں کہ ماشاء اللہ کیا کہنے، جیسا کہ ایک ریٹائرڈ پٹواری علامہ اقبال کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے، میرے خیال میں اس تفسیر کا نام تو تفسیر بے نظیر ہی بہتر رہے گا، کیونکہ سٹڈی تو وہ بھی کر رہی تھیں، جیسے کہ پاکستان کے ایک سابق صدر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ قرآن پاک کا مطالعہ فرما رہے ہیں، بڑی بات یہ ہے کہ ان کا مطالعہ پورا نہیں ہوا، اور وہ دنیا سے رحلت فرما گئے، ورنہ ایک اور تفسیر امت کے سامنے آجاتی،

بہرحال وہ اقبال کو کہنے لگے کہ میں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے آپ اس کو دیکھ لیں، اگر آپ اس پر کچھ لکھ دیں گے تو بہت ہی بہتر ہوگا، کچھ عرصہ بعد وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ اس کتاب کا کیا ہوا،؟ تو علامہ اقبال نے فرمایا کہ مجھے آپ کی کتاب سے بہت فائدہ ہوا، ایک بہت بڑا مغالطہ آپ کی کتاب کو دیکھ کر دور ہوگیا، میں سمجھتا تھا کہ سب سے زیادہ مظلوم حضرت حسینؓ ہیں جن کو ان کے خاندان سمیت کربلا میں شہید کر دیا گیا، لیکن اب معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ مظلوم تو اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے کہ جو احمق اٹھتا ہے وہی اس کی تفسیر لکھ دیتا ہے، اسی لئے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے کہا تھا:

کرے ہرگز نہ مسٹر جرأتِ تفسیر قرآنی
زبانِ یارِ من عربی و تو عربی نمی دانی

بہرحال میرے ذمہ یہ لگایا گیا تھا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس فقہ کے پڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟ اب یہاں سب علماء موجود ہیں میں کیا طریقہ بتاؤں؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ ایک نام نہاد مولوی کہیں جا کر پھنس گئے۔ محرم الحرام کے ایام تھے وہاں کے حضرات نے ان سے مطالبہ کیا کہ حضرت آپ بہت بڑے عالم ہیں۔ حضرت حسینؓ پر مضمون بیان کریں، ان کو سٹیج پر بٹھا دیا گیا تو انہوں نے کہا بھائی کیا تم کو پتہ ہے کہ حضرت حسینؓ کو کربلا کے میدان میں شہید کر دیا گیا؟

Marfat.com

سب کہنے لگے کہ پتہ ہے۔ فرمانے لگے کہ جاؤ جب پتہ ہے پھر مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم کوئی حیلہ کرتے ہیں، آئندہ روز پھر ایسا ہی ہوا کہ جب انہوں نے پوچھا کہ تم کو پتہ ہے؟ تو آگے بیٹھنے والے حضرات کہنے لگے کہ جی پتہ ہے اور جو لوگ کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ نہیں پتہ، تو وہ مولوی صاحب کہنے لگے کہ جن کو پتہ ہے وہ دوسروں کو بتادیں جنہیں نہیں پتہ۔

بہرحال چونکہ بڑوں کا حکم ہے اور الامر فوق الادب، اگرچہ بہت مشکل ہے کہ ایسے حضرات کی موجودگی میں جو اپنے اساتذہ، اکابر اور شیوخ ہوں، لب کشائی کی جائے، لیکن ہم نے جو کچھ اپنے بڑوں سے سنا یا پڑھا، ان کی خدمت میں رہ کر جو استفادہ کیا وہ عرض کردیتا ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کے لیے نافع بنائیں آمین۔ اس بارے میں احقر کے خیال میں سب سے بنیادی چیز طلباء کی نفسیات کو سمجھنا ہے۔

اس کی تدریس سے متعلق میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ابتداءً تو طالب علم کو زیادہ تفصیلات میں نہ الجھایا جائے، جیسا کہ نورالایضاح یا کنز ہے، انہیں طالب علم کو نفس کتاب کا مطلب اور معنی بتانا چاہیے، دراصل ہمارا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ طلباء کی استعدادیں اتنی کمزور ہوگئی ہیں کہ ان کو عبارت تک پڑھنی نہیں آتی یہ بہت نقصان دہ بات ہے، طلباء کو عبارت بالکل صحیح آنی چاہیے، اساتذہ کرام اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں، ہمارے حضرت والد صاحبؒ عبارت پر بہت گرفت فرماتے تھے، طلباء عبارت پڑھنے میں ہمزہ قطعی اور وصلی کا بالکل خیال نہیں رکھتے، ساری عبارت کو وصل کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں، دراصل ان بیچاروں کو قطعیت بالکل نہیں ہوتی اور بھی بہت سی اغلاط کرتے ہیں، ترکیب کا تو طلباء کو بالکل پتہ ہی نہیں ہوتا۔ ایک صاحب ذھب اللہ کی ترکیب کررہے تھے کہ ذھب مضاف،

Marfat.com

الـلـه مضاف الیہ، ذہب اللہ کی یہ ترکیب سن کر میں حیران رہ گیا، شاید آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے لیکن یہ کوئی زیادہ حیرت کی بات نہیں کی کیونکہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگر آپ ہر بات اور فصل کے شروع میں طلباء کے ذہن میں کوئی ضابطہ اور قاعدہ ڈال دیں جس پر تمام جزئیات منطبق ہوسکیں تو یہ بہت بہتر رہے گا، اس کے لیے ظاہر ہے کہ استاذ کو محنت کرنی ہوگی لیکن یہ بہت ضروری ہے اس کا بہت فائدہ ہے۔

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ میں تدریس میں بہت محنت کیا کرتا تھا، ''صدرا'' جو فلسفہ کی مشہور کتاب ہے اسکی ایک نہایت مشکل بحث ''مثناۃ بالتکریر'' جس کا نام سن کر طلباء گھبرا جاتے تھے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر بہت محنت کی پھر سبق پڑھایا اور پھر جب میں نے سبق پڑھانے کے بعد بتایا کہ یہ ہے وہ بحث جو بہت مشکل ہے تو طلباء گھبرانے لگے، حضرت نے فرمایا اب گھبرانے کی کیا بات ہے؟ اب تو تم سمجھ گئے ہو، یہ بحث ختم ہوچکی ہے۔

لیکن اس کام کے لیے محنت کی ضرورت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ طلباء محنت نہ کریں ان کو بھی محنت کرنا ہوگی، اس کے لیے آپ طلباء سے سبق سنیں، اب سبق سننے کا رواج بہت کم ہوگیا ہے، ہمارے اساتذہ تو ہر سہ ماہی امتحان کے لیے پوری کتاب سنتے تھے، فرماتے تھے کہ ترجمہ بھی کرو اور بتاؤ کہ اس کا کیا مطلب ہے، صحیح طریقہ یہی ہے کہ طالب علم بھی خوب محنت کریں اور اساتذہ کرام بھی اور طلبہ کو عبارت کا صحیح اعراب اور ترکیب معلوم ہونی چاہیے، یہ نہ ہو کہ ذھـب مضاف اور الـلـه مضاف الیہ اس کے بعد حضرات اساتذہ کرام کو طلباء کے سامنے مختصر مسئلہ کی وضاحت بھی کرنی چاہیے، بڑی کتابوں، مثلاً کنز الدقائق، میں ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تفصیل تو ہوگی، لیکن زیادہ تشریح نہ ہو، حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ ایک

Marfat.com

صاحب میزان الصرف پڑھاتے تھے میزان الصرف کے شروع میں یہ عبارت لکھی ہوئی ''الحمدلله رب العلمین والعاقبة للمتقین'' اب ایک بیچارہ طالب علم ان کے پاس میزان الصرف پڑھنے آیا تو انہوں نے یہ بیان شروع کردیا کہ الحمد کے شروع میں الف لام ہے اس کی چار قسمیں ہیں، عہد ذہنی، عہد خارجی وغیرہ اسی طرح ایک الف لام استغراقی بھی ہوتا ہے اب سامنے بیٹھا ہوا بیچارہ طالب علم استغراق میں مبتلا ہے اس بیچارے کو ان چیزوں کا کیا پتہ وہ تو اپنی ہی پریشانی میں مبتلا ہے تو کتب فقہ کی عبارت طالب علم سے بہترین انداز میں سنی جائے، طالب علم بہت بدمحنت ہوچکے ہیں اور اس دور میں تو وہ محنت کرتے ہی نہیں۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ اردو شروحات نے فقہ اور تعلیم کا ستیاناس کردیا ہے، معاف کیجیے، طلباء کو سب سے زیادہ نقصان اردو شروحات نے پہنچایا ہے، ہمارے زمانے میں یہ اردو شروحات نہیں تھیں، اور اگر تھیں بھی تو اساتذہ منگواتے نہیں تھے، بلکہ فرماتے کہ اصل کتاب پڑھو، حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ سہارنپور میں طلبہ کو معریٰ کتابیں دی جاتی تھیں، نہ ان پر حاشیہ ہوتا تھا نہ زبر نہ زیر، نہ پیش، اب تو سائنس کی ترقی اور علم کے زوال کا دور ہے اب یہ مصیبت آگئی ہے کہ طالب علم عبارت پر زبر زیر کے ہوتے ہوئے بھی صحیح پڑھ لیں تو یہ ان کی مہربانی ہے کیونکہ اب استعداد کمزور ہوگئی ہے، والی الله المشتکی۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب ہماری مدینہ منورہ حاضری ہوئی یہ ستر پچھتر سال قبل کی بات ہے تو حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کے بڑے بھائی حضرت سید احمد صاحبؒ جو مدرسہ علوم شرعیہ کے بانی تھے، انہوں نے ہمارے دادا جان کو کہا کہ اب چونکہ آپ کا قیام یہیں ہوگا لہٰذا آپ یہاں مدرسہ میں کتابیں پڑھائیں، کتابیں تقسیم کردی گئیں، وہاں ہدایہ، مؤطا امام مالک کے علاوہ کچھ

Marfat.com

دوسری کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں جن کا اس دور میں ہندوستان میں رواج نہیں تھا، حضرت دادا جان نے عرض کیا کہ حضرت فلاں فلاں کتابیں ہمارے ہاں نہیں پڑھائی جاتیں، لیکن آپ اگر چاہیں میرے نام لکھ دیں میں ان شاء اللہ پڑھا دوں گا، یعنی امانت داری کے ساتھ بتا دیا کہ فلاں فلاں کتاب میں نے نہیں پڑھی، ایک المیہ ہمارے ہاں یہ بھی ہے کہ جو کتاب جس استاذ کو دی جاتی ہے وہ لے لیتا ہے چاہے وہ اسے آتی ہو یا نہیں گویا جیسے طلباء ویسے اساتذہ، مل جل کر دین کی خدمت کریں گے، اجتہاد ہی ہو جائے گا، لیکن یہ اجتہاد ایسا ہی ہوگا جس کا ذکر ''مثنوی'' کی ایک حکایت میں ہے۔

حضرت مولانا رومی نے لکھا ہے ایک صاحب سفر کر رہے، بیوی بھی ساتھ تھی، سفر لمبا تھا، اس زمانے میں گدھے کی سواری مشہور تھی اس پر یاد آ گیا، ہمارے یہاں پاکستان میں ایک صاحب ہیں کافی بڑے آدمی ہیں نام تو لینا نہیں چاہیے لیکن کیا کیا جائے اب مجبوری ہے جب وہ ایران تشریف لے گئے تو ایران کے وزراء سے ان کا تعارف کرایا گیا ''ایں آقائے ما غلام مصطفیٰ خراست، وہ لوگ یہ سن کر بہت حیران و پریشان ہوئے کہ یہ خر ہے؟ کہنے لگے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ جب انہوں نے وضاحت کی کہ ''ایں از خاندان خراست'' تو وہ پھر سمجھے گویا'' ایں خانہ ہمہ آفتاب است''

تو میں گدھے کی سواری کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ وہ صاحب گدھے پر سوار جا رہے تھے، نہ جانے ان کو کیا مصلحت سوجھی، شاید سوچا کہ گدھے پر زیادہ وزن نہ آئے خود سوار ہو گئے اور عورت کو کہا تم ذرا پیدل چلو، اب ایک بستی میں پہنچے انہوں نے کہا شرم نہیں آتی، صنف نازک کو پیدل چلا رہے ہو اور خود اوپر بیٹھ گئے، یہ کوئی اچھی بات ہے؟ شرم کرو، اس نے کہا ٹھیک ہے، غلطی ہو گئی، آئندہ سفر اس

Marfat.com

کے برعکس کرنے لگے، کہ خود پیدل جارہے ہیں، اور اس عورت سے کہا تم سواری پر آجاؤ، اب دوسری بستی میں پہنچے وہ بھی بڑے برہم ہوئے کہ تم بڑے بے غیرت ہو جورو کے غلام ہو، عورت سوار ہے اور تم پیدل ہو، عقل سے کام لو، خیر! اس نے تطبیق کی کوشش کی اب دونوں سوار ہوگئے، جب تیسری بستی میں پہنچے تو وہ بہت ناراض ہوئے اور تنبیہہ بلیغ کی کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ اس گدھے کو مار رہے ہو، انہوں نے مشورہ سے طے کیا کہ ایسا کر لیتے ہیں کہ اب مل کر اس گدھے کو اٹھا لیتے ہیں، تو جب اس طرح سے مل کر کوئی اجتہاد ہوگا تو یہی نتیجہ نکلے گا۔

میں عرض کر رہا کہ کتاب کا ستیاناس ہوتا ہے وضع الشیٔ فی غیر محلہ سے مجھے یاد آیا ایک جگہ، ایک استاذ گلستان پڑھا رہے تھے، سامنے طلباء بیٹھے تھے میں ان کے پاس سے گذرا تو گلستان کی ایک عبارت آئی:

تو چراغ رانہ بینی بچراغ چہ بینی

یعنی نابینا کو کہا جارہا ہے کہ تمہیں چراغ تو نظر نہیں آتا چراغ کے ذریعے سے تم کیا دیکھو گے؟ ترجمہ تو اس کا یہ تھا، لیکن وہ اس طرح ترجمہ کرنے پر اصرار کر رہے تھے ''تو چراغ کو نہیں دیکھتا تو چراغ کو کیا دیکھے گا'' یہ ترجمہ ہو رہا ہے۔ مقصد یہ ہیکہ جب استاذ کو ہی عبارت اور کتاب نہیں آرہی تو طلباء کا مستقبل کیا ہوگا؟

ابھی ہمارے ایک معزز مہمان ''انتقال'' کے بارے میں بحث فرمارہے تھے، علم کا انتقال، فقہ کا انتقال، نور کا انتقال، تو انتقالات تو جب ہی ہوں گے جب کہ علم ہوگا، یہاں تو کتاب ہی ایسے شخص کو دی جارہی ہے جو ''آنکہ خویشتن گم است'' کا مصداق ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ دادا جان نے حضرت مولانا کو عرض کر دیا کہ

Marfat.com

حضرت یہ کتابیں تو ہمارے ہندوستان میں نہیں پڑھائی جاتیں ، ظاہر ہے کہ جس نے وہ کتاب پڑھی ہی نہ ہو وہ کیسے وہ کتاب پڑھا سکتا ہے، لیکن خیر وہ ذی استعداد لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں تفقہ ، بصیرت سب دولتیں عطاء فرمائی تھیں ، حضرت مولانا سید احمد صاحب نے بہت قیمتی جملہ فرمایا کہ ''مولوی صاحب! عالم کو ہر کتاب پڑھائی تھوڑا ہی جاتی ہے؟ اب کیا آپ کو ساری دنیا کی کتابیں پڑھائی جائیں؟ عالم کے لیے پڑھی اور بے پڑھی کتابیں سب برابر ہوتی ہیں ، مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے کیا مشکل ہے؟ محنت کریں ، ان شاء اللہ تعالیٰ آجائیں گی ، اس دور میں بھی یہ جملہ صحیح ہے یا نہیں؟ بالکل صحیح ہے، پڑھی بے پڑھی سب کتابیں برابر ہیں ، آجکل جو کتابیں پڑھی ہوں وہ بھی انہی کی طرح ہیں جو پڑھی ہوئی نہ ہوں ، گویا کہ کہ اب معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ،

احقر کے حضرت والد صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مولانا یحیٰ صاحبؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود سبق کی تقریر نہیں کرتے تھے بلکہ طلبہ پر بوجھ ڈالتے تھے کہ کتاب کو خود حل کرو ، دراصل یہ بڑا مجاہدہ ہے کہ استاذ ہر طالب علم کی باتیں سنے، استاذ کی عادت تو خود سنانے کی ہوتی ہے تو یہ بڑا مجاہدہ ہے وہ طالب علم کو کہے کہ تم عبارت پڑھو ترجمہ کرو، تقریر کرو ہم پھر بتائیں گے کہ تقریر میں کہاں غلطی ہوئی لیکن اگر کچھ عرصے تک یہ کام ہوجائے تو طالب علم کو کتاب میں بصیرت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے یا کیا سمجھ رہا ہے اور اس کو کیا پڑھنا اور سمجھنا چاہیے؟

کنز کی عبارت مشکل ترین ہے کیونکہ وہ ہاں ، نہ ، میں بات کرتے ہیں ، کنز کے معنی ''خزانہ'' ہے جس کو آپ نے نکالنا ہے ، اس کی عبارت بڑی مختصر اور جامع ہوتی ہے کیونکہ حضرت امام عبداللہ نسفیؒ بہت بڑے آدمی اور امام ہیں اس کے

Marfat.com

دور کے تمام حضرات ہی تمام علوم وفنون کے ماہراور جامع ہوتے تھے، صرف فقہ کے ہی ماہر نہیں تھے، ایک دوسرے علامہ عمر نسفی ہیں جو صاحب ''عقائد'' ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ومن العجائب انه دق باب الزمخشری عمر علامہ زمخشری کے دروازے پر پہنچ گئے جا کر دستک دی کہنے لگے کہ من انت؟ جواب دیا کہ عمر، انہوں نے کہا:

انصرف، یہ کہنے لگے عمر لاینصرف، انہوں نے جواب دیا اذا نکر صرف، بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟

تو کنز مشکل ترین کتاب ہے، حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد ماجد کے سامنے کنز پڑھائی، والد صاحب فرمانے لگے کہ تم نے بہت زیادہ پیچیدہ تقریری کردی، طالب علم کو تو سمجھ میں نہیں آرہی ہوگی، اس وقت پڑھانے کا طریقہ بھی سکھایا جاتا تھا یہ طریقہ بالکل صحیح ہے کہ جس استاذ کو کتاب دی جائے مہتمم صاحب اس سے خود ایک مرتبہ سماعت فرمالیں۔

حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سہارنپور میں صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری صدر مدرس تھے، صدر مدرس اس شخص کو بنایا جاتا تھا جو تمام علوم وفنون کا ماہر ہو، کسی بھی کتاب کے پڑھانے والے استاذ کو کوئی اشکال پیش آئے تو وہ فوراً اسے لے کر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ اس کو حل کردے، فرماتے تھے کہ جب میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں آیا تو ایک دفعہ میراث کا ایک سوال آگیا میں اسے لے کر یہاں کے ایک صدر مدرس کے پاس لے گیا جو بزرگ عالم تھے تو وہ کہنے لگے کہ میں نے تو میراث پڑھی نہیں اس پر تعجب ہوا کہ صدر مدرس کے لیے یہاں یہ شرط نہیں حالانکہ صدر مدرس کے لیے تو ضابطہ یہ ہے کہ اس کو ساری کتابوں اور علوم وفنون پر مہارت ہونی چاہیے۔

Marfat.com

یہ بات بھی آپ ذہن نشین کر لیجیے کہ جس مدرس کو آپ مقرر فرماتے ہیں کم ازکم اس سے صدر مدرس صاحب ایک مرتبہ کتاب کو سنیں تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ یہ مدرس اس کتاب کو پڑھا سکتا ہے، یہ بڑا اہم کام ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسل کا فائدہ ہو جائے کہ وہ صحیح طور پر پڑھ سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ عالم کے اندر اس بات کی حرص ہونی چاہیے کہ طلباء جو میرے پاس امانت ہیں میں نے ان کی طرف علم کو منتقل کرنا ہے، کنز کے بعد شرح الوقایہ میں چونکہ دلائل بھی آئیں گے اس لیے دلائل بھی سمجھانے چاہییں اس کے بعد ہدایہ پڑھائی جاتی ہے، جو درجے میں گویا سپریم کورٹ، ہائی کورٹ ہے مولوی اور طالب علم کی دو تعریفیں ہیں ایک تو وہ ہے جو ''حمد باری'' کے مصنف مولانا عبدالسمیع رام پوری نے کی ہے یہ شاعر بھی تھے اور مجدد البدعات بھی، یہ پہلا شخص ہے جس نے بدعات کو مدلل کیا، اسی کی ایک کتاب ''انوار ساطعہ'' کا جواب حضرت سہارنپوری نے ''براہین قاطعہ'' کے نام سے دیا تھا، اس شخص نے بدعات کو دلائل کے ساتھ تحریر کیا، پھر حضرت سہارنپوری نے بھی کمال کر دیا، یاد رکھیے اہل سنت والجماعت کا سنت و بدعت کے بارے میں موقف آپ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوگا جب تک آپ حضرت سہارنپوری کی اس کتاب کو صحیح طرح سمجھ کر نہیں پڑھیں گے، یہ حضرت سہارنپوری کی بڑی عظیم کتاب ہے۔

بہرحال! چونکہ وہ شاعر بھی تھے اس لیے انہوں نے ایک رسالہ لکھا تھا ''حمد باری'' وہ رسالہ تو ہم نے نہیں پڑھا، حضرت والد ماجدؒ اس کی بہت تعریف کیا کرتے تھے کہ اس نے بہت سی لغات جمع کی ہیں اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ

علم مولا ہو جسے ہے مولوی جیسے حضرت مولوئ معنوی

''حضرت مولوی معنوی'' سے مولانا رومی کی طرف اشارہ بلکہ صراحت

Marfat.com

ہے، ایک تعریف۔ تو مولوی کی یہ ہے اب دیکھیے ''مولوی'' کے اندر کتنی بڑی نسبت ہے لیکن اب یہ صورت حال ہوگئی ہے کہ اگر مولوی کہہ دیا جائے تو باقاعدہ طور پر احتجاج ہوتا ہے کہ مجھے مولوی کہا گیا ہے میرے لیے مولانا یا علامہ یا اس طرح کا کوئی بڑا لقب ہونا چاہیے۔

جیسے ایک بادشاہ نے ایک حجام کو لقب دیا تھا اس طرح کہ بادشاہ سویا ہوا تھا اس نے آکر بادشاہ کی سوتے ہوئے حجامت کر ڈالی، بادشاہ نے اٹھ کر حجام کو طلب کیا اور کہا جناب آپ اس فن میں بڑے ماہر ہیں آج سے میں تمہیں استاد کا خطاب دیتا ہوں، اس نے کہا جی بہت اچھا، خواتین کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ اس کے گھر میں مبارکباد دینے کے لیے پہنچ گئیں اور مبارکباد دینے لگیں، اس کی بیوی نے پوچھا کس بات کی مبارکباد؟ انہوں نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے میاں کو استاد کا لقب دیا گیا ہے۔ کہنے لگی کس نے دیا ہے؟ کہا بادشاہ نے دیا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ کیا بادشاہ حجام ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ کیوں حجام ہوگا، وہ تو بادشاہ ہے تو وہ کہنے لگی پھر بادشاہ صاحب کو کیا پتہ کہ یہ کیا پیشہ ہے۔ اگر اسی پیشہ سے منسلک افراد جمع ہوکر یہ فیصلہ کریں کہ یہ ہمارا استاد ہے پھر تو وہ استاد ہوگا، بادشاہ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟

تو یہ ''علامہ، مولانا جامع اور مانع'' وغیرہ کے جو لقب دیے جا رہے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، خیر ''مولوی'' بہت بڑا لفظ ہے اس کی یاء نسبت کی ہے یعنی اللہ والا، پہلے حضرات کا طریقہ بھی یہی تھا کہ اسی طرح علماء کو پکارتے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کے ایک ساتھی نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت مولانا معین الدین جو اجمیر کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، منطق و فلسفہ کے بھی بہت بڑے امام تھے ان کے دل میں حضرت شیخ الہند

Marfat.com

محمود الحسن صاحب دیوبندی سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی تو وہ دیوبند تشریف لائے اسٹیشن پر آ کر حضرت کے بارے میں پوچھا تو تانگے والے نے کہہ دیا کہ مولانا وغیرہ تو یہاں کوئی نہیں ایک بڑے مولوی صاحب ہیں اگر آپ کہیں تو وہاں پہنچادوں؟ کہنے لگے اچھا بھئی وہاں پہنچادو، وہاں پہنچ گئے دروازے پر دستک دی، اندر سے ایک صاحب تشریف لائے جنہوں نے تہمند باندھا ہوا تھا، باقی کپڑے اتارے ہوئے تھے یہ بہت بڑا سفر کر کے وہاں پہنچے تھے گرمی کا موسم تھا، انہوں نے ان کو اپنے کچے سے گھر کی بیٹھک میں بٹھالیا اندر سے شکر یا گڑ کا شربت لا کر پیش کر دیا کہ بھئی بہت گرمی ہے آپ یہ پی لیں وہ تقاضا کرنے لگے کہ حضرت کو جلدی میری اطلاع کرو، کہ میں آیا ہوں تاکہ ملاقات ہو جائے وہ فرمانے لگے اطلاع ہوگئی ہے پھر پنکھا لیا اور ہاتھ سے ان کو ہوا دینے لگے انہوں نے کہا کہ میں کب سے آیا ہوں، بار بار تقاضا کر رہا ہوں کہ میری ملاقات کروادیں آپ بھی عجیب آدمی ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں میری مولانا سے ملاقات کراؤ؛ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا تو یہاں کوئی نہیں البتہ بندہ محمود الحسن میرا نام ہے، مولانا معین الدین بہت حیران ہوئے کہ کیا حضرات ہیں علماء دیوبند، سبحان اللہ۔

دوسری تعریف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے تھے کہ مولوی کی ایک تعریف یہ ہے کہ ہدایہ کی چار جلدیں ہیں اور آپ کے ہاں تو آٹھ جلدیں ہیں یا چار؟ ابھی تک چار ہیں؟ نئے نئے ایڈیشن آرہے ہیں، فرماتے تھے کہ مولوی وہ ہے جس کے سامنے ہدایہ کی چار جلدیں رکھی جائیں اور جس جگہ سے پوچھا جائے وہ اس جگہ کو بلا کسی تامل کے اور صحیح حل کر دے، فرماتے تھے کہ یوں ہدایہ آنی چاہیے پھر فائدہ ہے پڑھنے پڑھانے کا۔

تیس سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی

Marfat.com

ساہیوال تشریف لائے، بڑی شدید گرمی تھی، مجھے فرمانے لگے ہدایہ لاؤ، میں نے کہا لو جی، پہلے ہی شدید گرمی ہے اور اب ہدایہ بھی لاؤ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرا امتحان شروع نہ ہو جائے، لیکن حضرت کی تو عقابی نگاہیں تھیں، وہ تو آگے دیکھ رہے تھے ہدایہ کھول کر والد صاحب کے سامنے رکھ دی، اور والد صاحب سے فرمایا کہ حضرت اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب بتائیں حالانکہ شدید گرمی تھی اس دور میں ائیر کولر وغیرہ جیسی کوئی چیز نہ تھی اور پنکھا چلانے کی والد صاحب کے ہاں اس طرح اجازت تھی کہ اس کے پر نظر آسکیں، فرماتے تھے کہ پسینہ نکلنا چاہیے کہیں مسام بند نہ ہو جائیں یعنی ان بزرگوں کے ہاں صحت کا بھی خیال تھا، جیسے حضرت تھانوی کے پاس ایک صاحب گئے کہنے لگے کہ حضرت سر میں کچھ درد ہے اور طبیعت خراب ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی تیل لگاؤ، کہنے لگے کہ حضرت رومال خراب ہو جائے گا، فرمایا دماغ خراب ہو جائے، لیکن رومال خراب نہ ہو۔

تو فرمانے لگے کہ ہدایہ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ ابا جی نے وہ عبارت دیکھی اور اس کی تشریح فرمائی، تو حضرت مولانا مشرف علی صاحب بہت خوش ہوئے اور حیران ہوئے، فرمانے لگے کہ میں بہت سے حضرات سے اس عبارت کا مطلب پوچھا سوائے حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کے کسی نے اس کو صحیح حل نہیں کیا آپ دوسرے شخص ہیں جو اس کو صحیح حل کر پائے ہیں۔ تو بھئی اس طرح پڑھنا ہے۔

ایک بڑی اہم بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو حضرات پڑھائیں وہ ماہر ہونے چاہییں، پھر خاص طور پر جو بیوع اور معاملات کے ابواب ہیں وہ بڑے اہم ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا یبیع فی سوقنا من لم یتفقه فی الدین اس شخص کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں جو مسائل نہ جانتا ہو۔

Marfat.com

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑی عجیب بات لکھی ہے، فرمایا کہ اگر مسلمانوں اور کافروں کے معاملات کو دیکھا جائے تو کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا جیسے وہ کررہے ہیں مسلمان بھی اسی طرح کررہے ہیں، حلال وحرام کی تمیز نہیں حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ابن آدم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ بھئی تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اس وقت تک قدم ہلانے کی اجازت نہیں ہوگی، روز محشر ایک سوال یہ بھی ہوگا یہاں اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے، حالانکہ حلال کے اندر کتنی برکت ہے۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی کے پاس ایک شخص آیا کہ حضرت یہ دو پیسے ہیں میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہم آپ کی مہمانی کریں جگہ نہیں ہے آپ خود ہی انتظام فرمالیں، اور میری طرف سے یہ مہمانی قبول کرلیں ۔ اب حضرت نے دو پیسے لیے، اور سب حضرات نے مل کر کھانا تیار کیا فرماتے تھے کہ ہم نے ایک ایک دو دو لقمہ کھالیا، حضرت فرماتے ہیں کہ اس کی اتنی برکت ہوئی کہ ایک مہینہ تک گناہ کا خیال تک نہیں آیا، تو رزق حلال کی کتنی بڑی تاثیر ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی ساری نشونما کھانے پینے سے ہی ہوتی ہے۔

بہر حال میں عرض کررہا تھا کہ حضرت عمر نے اس ایک ارشاد سے سارے بازار کو درس گاہ بنادیا۔

سلطان اورنگزیب عالمگیر وضو فرما رہے تھے ایک بڑے وزیر صاحب تھے یہ میں سلطان اورنگزیب عالمگیر کے دور کی بات کررہا ہوں، شاید آپ کے ذہن میں یہاں کا خیال آجائے کہ کوئی سلطان وضو کررہا ہو، یہاں کوئی وضو کا تصور ہے؟ یہاں تو تیمّم ہی نہیں وضو تو بعد کی بات ہے، تو انہوں نے وضو کرتے ہوئے وزیر صاحب سے وضو یا نماز کا ایک مسئلہ پوچھ لیا ان کو نہ آیا حضرت سلطان عالمگیر نے

Marfat.com

اس کو بہت ڈانٹا کہ تجھے مسئلہ نہیں آتا، آنا چاہیے، بس ان کے کان کھڑے ہوگئے اور پھر سب حضرات متحرک ہوگئے، طلباء اور علماء کی بڑی قدر ہوئی اور ماشاء اللہ انہوں نے خوب مسائل سیکھے۔

تو اصل یہ ہے کہ مسائل کا علم ہو اور وقت پر تطبیق بھی ساتھ ہو، لیکن معاملات میں بڑا عجیب حال ہے، ایک صاحب کا انٹرویو تھا ان سے ایک سوال ہوا فقہ ہی کا سوال تھا۔ کہ حج کی کتنی قسمیں ہیں؟ کہنے لگے کہ تین قسمیں ہیں، حج تمتع، حج افراد حج قران پوچھا گیا ان کی وضاحت کریں کہنے لگے کہ حج افراد کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے حج کرنا، اور حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ کچھ کھانا پینا، اور قران کا مطلب ہے کہ مل کر حج کرنا، عجیب تماشا ہے۔

اسی لیے جب ہمارے علماء مختلف محکموں میں انٹرویو کی زد میں آجاتے ہیں تو وہ پریشان رہتے ہیں پھر یہ تأثر ہوتا ہے کہ مولویوں اور عالموں کو کچھ نہیں آتا، اصل میں وہاں کوئی صحیح آدمی جاتا ہی نہیں۔

۱۹۸۶ء کی بات ہے میرا ان سے تبادلہ خیال ہوگیا آدھ گھنٹے تک گفتگو ہوئی دراصل میں والد صاحب کو اطلاع کیے بغیر عربی فاضل کا امتحان دے رہا تھا، اس میں پریکٹیکل بھی تھا، انہوں نے ماشاء اللہ فقہ، اصول فقہ، اور ادب عربی کے تمام مسائل پوچھے، ہمارا بھی جوانی کا دور تھا ہم نے بھی تیزی دکھائی، ہر سوال کا جواب، ہر سوال کا جواب، اب اصول فقہ نور الانوار، کے مسائل شروع ہوگئے، وہ لوگ بڑے حیران ہوئے پھر ان کو سمجھ آئی کہنے لگے کہ آپ نے درس نظامی تو نہیں کیا ہوا؟ میں کہا جی ہاں، کیا ہوا ہے، کہنے لگے کیا کرتے ہیں آپ؟ میں نے کہا پڑھاتا ہوں، کہنے لگے کہ آپ کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں؟ آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے کہا میں دراصل اس مقصد کے لیے آپ کے

Marfat.com

پاس آیا ہوں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ایسا بھی ہوتا ہے، کہنے لگا آپ اپنا پسندیدہ شعر سنادیں (اس سے پہلے انہوں نے مجھ سے عربی میں پانچ منٹ تقریر بھی کروائی تھی) میں نے کہا:

واذا أتتك مذمتي من ناقص فهي الشهادة لي بأني كامل

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ تین لفظ ہیں افراد، تمتع، قران، ان کا، ان کو کچھ پتہ نہیں پڑھاتے وقت طلباء سے سوال و جواب بھی ہوں، بلکہ اس طرح کیا جائے کہ ہر ہفتے میں طلباء میں ان مضامین کے بارے میں جو وہ پڑھتے ہیں سوال و جواب کی نشست ہو جائے، اگر نشست نہ ہو تو تحریری سوال و جواب ہی ہو جائیں، تا کہ ان کو پتہ چلے کہ ہم نے کیا پڑھا ہے؟

تقریری امتحان کے بھی فوائد ہیں وہ ضرور ہونا چاہیے اس سے طلباء کی استعداد کا بھی پتہ چلتا ہے تقریری امتحان میں حافظے کا امتحان ہے اور تحریری امتحان سے طالب علم کی صلاحیتوں اور لیاقتوں کا علم ہوتا ہے۔

سہارنپور مدرسے کے ساتھ ہی ایک دکان تھی، مدرسے کے ایک طالب علم کو اس میں ایک ٹوپی پسند آ گئی وہ طالب علم کہنے لگے کہ یہ ٹوپی آپ مجھے دیدیں، اس نے کہا پیسے؟ کہا وہ بعد میں لے لینا، اس ٹوپی پر زری کا کام کیا ہوا تھا، اس طرح یہ بیع صرف تھی وہ دوکاندار کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ کتابیں پڑھتے ہیں آپ کو پتہ نہیں کہ بیع صرف کے اندر ادھار جائز نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی صاحب نے پڑھا تو تھا، لیکن اس کی عملی تطبیق ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، اس طالب علم نے کہا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، بعد میں جب پیسے ہوں گے تو میں لے لوں گا، اس نے کہا نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے میں آپ کو طریقہ بتا دیتا ہوں ابھی آپ کو یہ ٹوپی مل جائے گی، اس نے کہا میرے پاس پیسے نہیں ہیں،

Marfat.com

وہ کہنے لگے آپ مجھ سے یہ پیسے ادھار لے لیں ان پیسوں سے آپ یہ ٹوپی نقد خرید لیں اب آپ دیکھیے کہ دوکاندار ہے اور دوکاندار ہونے کے باوجود "دوکان دار" جیسے کہ حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ میں اب دوکان دار نہیں رہا، ایک کان ہے اور ایک سنتا نہیں، تو دیکھیے اس نے یہ حیلہ بھی ساتھ ہی بتادیا کہ اس کا متبادل یہ ہے۔

اس متبادل کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی نے ایک بہت زبردست رسالہ لکھا ہے جو حضرات قدوری پڑھانے والے یہاں تشریف فرما ہیں، ان سے میں یہ گذارش کروں گا کہ قدوری کی کتاب البیوع سے پہلے حضرت تھانوی کا ایک زبردست رسالہ "صفائی معاملات" ضرور پڑھیں، اس کی روشنی میں آگے چلیں۔ اس کے اندر کئی معاملات کے متبادل لکھیں ہیں۔ کہ بیع فاسد بیع باطل کا متبادل کیا ہے؟ اور کیسے بیوعات کے اندر مسلمان جائز طریقے اختیار کر سکتے ہیں؟

حضرت امام محمدؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بازاروں میں جاتے سوال کرتے اور پوچھتے کہ کس طرح معاملات کر رہے ہیں؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک عالم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آج کل معاملات کی کیا صورتیں ہو رہی ہیں؟ تاکہ طلباء کو ان سے مستفید کرنے کا موقع مل سکے، ان کو معلوم ہو کہ کس طرح معاملات کیے جانے چاہییں؟ ان کو معلوم ہو کہ یہ بیع باطل ہے، فاسد ہے، مکروہ ہے، حرام ہے یہ اجارہ ہے، یہ خیار عیب کا معاملہ ہے یا یہ خیار رؤیۃ ہے؟ کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ یہ ساری تفصیلات صرف ذہن کی حد تک نہ رکھیے طلباء کے سامنے عملی طور پر یہ باتیں آنی چاہییں، اور ان کو ان کا پتہ ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ جب وہ فارغ ہوں تو بالکل ہی فارغ ہوں

مولوی گشتی و آگاہ نیستی　　　از کجا و خود کجا و کیستی

ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کو ساری تفصیلات معلوم ہونی چاہییں، اسی طرح علامہ

Marfat.com

عبدالحی لکھنوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب کی کتاب ہے فقہ المعاملات پر" تطہیر الاموال فی الحرام والحلال "، فی الحلال والحرام نہیں ہے کیونکہ قافیہ نہیں مل رہا قافیہ بھی تو ملانا چاہیے جیسے کہ ایک صاحب جارہے تھے وہ دوسرے سے کہنے لگے کہ بھئی" جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ" اس نے جواب میں کہہ دیا" تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولھو"، وہ کہنے لگا قافیہ نہیں مل رہا اس نے کہا چلو بوجھ میں تو مرے گا، تو" تطہیر الاموال فی الحرام والحلال" معاملات کے حوالے سے بڑی اچھی کتاب ہے، میں یہ اردو میں ہونے کی وجہ آپ کو بتارہا ہوں، عربی کتابیں تو آپ ماشاء اللہ پہلے ہی بہت پڑھتے ہیں۔

اور پھر جدید معاشی مسائل اور معاملات کے حوالے سے جو کام ہمارے حضرات نے کیا ہے وہ سارا کام ہمارے اہل علم کے سامنے ہونا چاہیے اس نہج پر آپ طلباء کو ڈال دیں تو فائدہ ہوگا، ان کو ضروری ضروری چیزیں سمجھائیں اور معاملات کرکے دکھائیں جس سے ان پر صحیح معاملات ظاہر ہوں جب طلباء قرآن وسنت کی روشنی میں فقہ کے حوالے سے بات کریں گے تو ان کو متبادل نظام اور متبادل حل سمجھ میں آجائے گا۔ فقہاء نے سب چیزیں کتابوں میں لکھی دی ہیں، بڑے سے بڑے علماء جب بھی کسی معاملے پر گفتگو کرتے ہیں یا تحریر لکھتے ہیں تو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں حوالے کہاں سے لاتے ہیں؟ دور جدید کی تو کچھ ہی کتابیں ان کے سامنے ہیں تو فقہاء کی قدیم کتابوں کے حوالوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ کوئی بدائع الصنائع کا حوالہ دے رہا ہے کوئی فتح القدیر کا کوئی البحرالرائق کا ،ان کے حوالے دیں، ان کے علاوہ اور کتابوں شامیہ، عالمگیری کے حوالے دیں، فقہاء نے ان عبارتوں میں سارے اصول لکھ دیے ہیں الحمدللہ، البتہ یہ ہے کہ اگر آپ کو اجتہاد کی ضرورت پیش آئے اور شرائط کا تحقق ہو تو آپ اس سے بھی دریغ نہ

Marfat.com

کریں۔لیکن یہ جب ہی ہے کہ شرائط کا تحقق ہو، واذا فات الشرط فات المشروط ، اجتہاد ان مسائل میں ہوگا جو جدید ہوں، بہر حال میں یہی کہوں گا کہ اگر ان کتابوں کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے جو قدیم فقہاء کی کتابیں ہیں، جن کا تعلق فقہ اور اصول فقہ سے ہے، تو آپ قیامت تک مار نہیں کھا سکیں گے، ان شاء اللہ۔

اصول فقہ کی بات تو فقہ کے ساتھ ہی درمیان میں تقریباً ختم ہوگئی، لیکن بہر حال مجھے ایک آیت یاد آئی اگر اجازت ہو تو میں اس کو بیان کر کے آگے چلتا ہوں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں:

ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات ، بل احياء ولكن لاتشعرون -

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب سے میں نے سنا بھی ہے اور انہوں نے اس کو بڑی تقریر اور وضاحت سے لکھا بھی ہے فرمایا کہ دیکھیے ! اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کر دیا گیا اس کو مردہ مت کہو، اب "لاتقولوا" نہی ہے، امر وجوب کے لیے ہے تو نہی کس لیے ہے؟ حرمت کے لیے، تو ان کو مردہ کہنا حرام ہوگا، اب یہ قول ہے جس کا مقولہ جملہ ہوتا ہے، اب اموات جملہ تو نہیں ہے بلکہ اصل میں تھا هم اموات یعنی ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله هم اموات ، تو یہ جملہ کون سا ہے؟ جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے، تو فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہیں کہہ سکتے ان حضرات کے بارے میں جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائیں کہ دوامی شکل پر مردہ ہیں اور پھر فرمایا کہ بل احياء ولكن لا تشعرون "یہ "بل احياء" اصل میں "بل قولوا هم احياء" ہے یعنی بلکہ جس طرح ان کو مردہ کہنا جرم ہے اسی طرح ان کو زندہ کہنا واجب ہے، اب ذرا آپ اصول فقہ کو بھی سامنے رکھیں، امر اگر خبر کے بعد ہو تو کیا حکم ہے؟ اور فی نفسہ امر کس بات کا تقاضا کرتا ہے؟ اباحت

Marfat.com

کے لیے کہاں آتا ہے؟ اس کے علماء اصولیین نے چوبیس پچیس معانی لکھے ہیں اس طرح شہداء کی حیات بالکل عبارۃ النص سے ثابت ہوگئی۔

اب دلالۃ النص کے ذریعے بات کو آگے بڑھائیں کہ جن کا درجہ شہداء سے بھی زیادہ ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ اصل تو یہ ہے کہ اگر قرآن پاک کی تفسیر قرآن ہی سے ہوجائے تو یہ تفسیر کا پہلا درجہ ہے، یاد آیا کہ ایک صاحب اجتماع میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ آؤ میں تمہیں قرآن پاک کی تفسیر سناؤں گا، اور وہ تفسیر القرآن بالقرآن ہوگی، تو اس نے قرآن پاک کی تفسیر اس طرح کی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ رب. العالمین یعنی الحمدللہ رب العالمین، اس طرح ساری سورۃ پڑھ دی پھر کہا دیکھو یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔

تو قرآن پاک کی اول درجہ کی تفسیر تو وہ ہے جو قرآن پاک سے ہو اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم، منعم علیھم کون ہیں؟ اؤلئك الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین ۰اس آیت کے شان نزول میں علامہ واحدی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ثوبانؓ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تمہارا رنگ بدلا ہوا اور طبیعت کمزور لگ رہی ہے۔ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اور تو کوئی معاملہ نہیں لیکن جب آپ کی محفل سن کے جاتا ہوں تو پھر میں آپ کی طرف مشتاق ہوتا ہوں، دل میں یہ آتا ہے کہ آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں، اور یہ سوچتا ہوں کہ مرنے کے بعد اگر جنت میں چلا گیا تو آپ کا مقام انبیاء علیھم السلام کے ساتھ ہوگا، پھر آپ کی زیارت کیسے ہوگی؟ اور اگر زیارت نہ ہوگی تو جنت میں جانے کا کیا فائدہ؟ کتنی گہری سوچ ہے، یہ ہیں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین واقعۃً اعلیٰ درجے کے عاشق رسول تھے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو جب پتہ چلا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے تو دعا کی کہ یا اللہ مجھ سے نظر چھین لیجیے میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوۂ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا، تو جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

ومن یطع اللہ والرسول فأؤلئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أؤلئك رفيقا۔

لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو اسلام لانے کے بعد جتنی خوشی اس آیت کے نازل ہونے پر ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس میں یہ بشارت دی جا رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ان کو جنت میں بھی نصیب ہوگی،

بہرحال اس آیت میں جو درجات بیان کیے گئے ہیں ان میں پہلا درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے دوسرا صدیقین کا تیسرا شہداء کا اور شہداء کے بارے میں فرمایا کہ وہ زندہ ہیں، اور زندہ صرف روح کو نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ روح تو سب کی زندہ ہے یہ حیات جسمانی ہوگی اور روح کے تعلق سے ہوگی، تو جب وہ زندہ ہیں تو ان سے بھی اعلیٰ درجہ پر انبیاء بھی یقیناً زندہ ہوں گے اور جناب سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب کے سردار ہیں وہ تو یقیناً حی اور زندہ ہوں گے۔

دراصل میں یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ آیت ایک مثال کے طور پر ذہن میں آئی ہے مثالیں تو اور بھی ذہن میں آ رہی ہیں لیکن بہرحال مقصد یہ کہ جب اصول فقہ پڑھایا جائے تو تیسیر کے ساتھ اچھے انداز میں پڑھایا جائے مثالیں بھی

Marfat.com

دی جائیں ،صرف اسی کتاب میں درج مثالیں کافی نہیں دوسری کتابوں سے بھی مراجعت کریں ،اور طلباء کا ذہن اور دماغ آگے بڑھائیں ۔

نورالانوار میں تو بہت تفصیل ہے ملاجیون ایسا طویل کلام فرماتے ہیں کہ حد نہیں ، اور توضیح وتلویح کا معاملہ تو آپ کے سامنے ہے ، علامہ تفتازانی نے میرے خیال میں ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ جو کتاب بھی ان کے سامنے آئے اس کا تیا پانچہ کردیا جائے ،خود وہ یقیناً بات کو سمجھ رہے ہوں گے لیکن طلباء کو نہیں سمجھنے دیتے ۔اسی لیے علامہ گازرونی نے فرمایا تھا کہ: ینبغی ان یسمی جرحا لاشرحا اس کو جرح کہنا چاہیے شرح نہیں کہنا چاہیے ،تو وہ کتاب پڑھ کر بھی طلباء کو کچھ سمجھ میں نہیں آتی ۔

بہرحال نورالانوار وہ ضرور پڑھیں بہت مفید ہے ، اچھی کتاب ہے ،لیکن اس کے ساتھ اور مفید کتب بھی پڑھنی ضروری ہیں ۔حسامی البتہ اپنے درجے میں بڑی اچھی کتاب ہے توضیح تو بہت اچھی ہے تلویح کے بعض اہم مقامات پڑھانے بھی مفید ہیں ۔

تو یہ چند باتیں اور پریشان خیالات وقت کو پورا کرنے اور حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پیش کردیے ہیں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے جو کوئی مفید بات ہے اس کو اللہ تعالیٰ میرے لیے اور آپ کے لیے نافع فرمائے ۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين الى يوم الدين ۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

محققانہ انداز تدریس

کی

اہمیت وضرورت

حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب

استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

تاریخ 13-02-2010

بمقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

محققانہ انداز تدریس کی اہمیت وضرورت

حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب مدظلہ العالی

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا ، من يهده الله فلا مضلله ومن يضلله فلاهادى له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له ۔ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم ۔

اما بعد!

فاعوذبالله من الشيطن الرجيم ۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔

﴿ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط يَخْرُجُ مِنْ م بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ صدق الله العظيم

محترم اساتذہ کرام میرے محترم مشائخ!

حقیقت یہی ہے کہ ان مشائخ کے سامنے بولنا حقیقتاً مشکل ہے لیکن اگر ان کے پڑھائے ہوئے سبق کو دہرانا ہی مقصود ہو اور سبق سنانے کی نیت ہو تو انشاء اللہ العزیز ان حضرات کی دعائیں شامل حال رہیں گی ۔ اللہ تعالیٰ ان مشائخ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے ۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مدرس بننے کے بعد پھر کچھ سیکھنا کافی مشکل ہوتا ہے ۔ اور مدرس بھی وہ جو کہ باصلاحیت ہو جائے اس کے لیے پھر دوبارہ سیکھنے کے لیے

Marfat.com

دریچوں کو کھولنا، اپنے ذہن کو کھولنا، سیکھنے کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ان اکابرین نے الحمدللہ اتنے جید اساتذہ کرام کو جمع فرمایا انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ اس میں خیر کا فیصلہ فرمائے گا۔ ان حضرات اکابر نے احقر کے لیے موضوع رکھا ہے۔ ''محققانہ انداز تدریس کی اہمیت وضرورت'' اس عنوان سے بسااوقات یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ بڑے اساتذہ کے لیے ہے اور بڑے درجوں کے اساتذہ کے لیے ہے۔ ابتدائی درجات کے اساتذہ شاید اس عنوان کے تحت نہ آتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی سوچ ایک مدرس کو ناکام مدرس بنا دیتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو محققانہ انداز تدریس سے باہر نکالتا ہے کہ میں تو ابھی بنیادی کتب کا مدرس ہوں۔ حالانکہ اس مدرس کو بھی اس انداز کی ضرورت ہے۔

یہ جو تحقیق ہوتی ہے اس کے لفظی معنی آپ لغت کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ کسی چیز کو ثابت کرنا، کسی چیز کو حق بتانا، حق ظاہر کرنا، مقرر کرنا، لیکن جب آپ محققین کے ہاں پڑھتے ہیں تو وہ ''تحقیق'' کی یہ تعریف فرماتے ہیں کہ کسی موضوع کے بارے میں آپ مطالعہ کریں اور ابتدائی سوچ سے لے کر اس کا نتیجہ حاصل ہونے تک دلائل اور براہین کے ساتھ آپ کسی چیز کو مدون کر کے پیش کریں تو اس کو تحقیق کہتے ہیں۔ آسان الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنی ابتدائی سوچ سے اس موضوع کے نتیجے تک پہنچنے کے لیے مطالعہ کرتے ہیں، دلائل اکٹھے کرتے ہیں اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے آپ تیار ہو جائیں گویا کہ اب آپ بولنے کے لیے تیار ہیں تحقیق کے ساتھ۔ اس کے لیے آپ نے تین نہج پر غور فرمایا، آپ نے اپنے موضوع کو منتخب کرنا ہے کہ میں نے آج سبق میں کیا پڑھانا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مسئلے کے دلائل اور آپ نے اس مسئلے کی وضاحتیں ذہن میں رکھنی ہیں۔ پھر اس کے بعد جب آپ تیار ہو جائیں تو اب آپ

Marfat.com

نے یہ مطالعہ منتقل کرنا ہے۔اب یہ تحقیق کے ساتھ تدریس کا عمل مکمل ہو گیا۔
الحمدللہ آپ اسی طرح تدریس کا عمل کرتے ہیں۔اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ النحل کی آیت نمبر ۶۸ اور ۶۹، میں (جس کی میں نے تلاوت کی) ذکر فرمایا ہے۔"تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے بارے میں ہمیں بتایا"واوحی ربک الی النحل الخ"کہ تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا۔جب آپ تحقیق کے ساتھ ترجمہ پڑھاتے ہیں تو یہاں وحی کا لغوی معنی مراد لیتے ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں لیتے، اصطلاحی معنی انبیاء کے لیے ہی خاص ہے۔لیکن واوحی ربک الی النحل سے یہ بات ضرور ذہن میں رکھ لینی چاہیے کہ آپ حضرات کا تعلق بھی علم بالوحی کے ساتھ ہے۔بلاواسطہ یا بالواسطہ جو کہ طلباء کو آپ پڑھاتے ہیں۔"واوحی ربك الی النحل"کہ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالدی"ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون"
کہ تو گھر بنا پہاڑوں کے اندر اور درختوں کے نیچے اور ان اونچی جگہوں میں جہاں لوگ چھتریاں بناتے ہیں۔شہد کی مکھیوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جب گھر بن جائے تو پھولوں میں سے تو کھا، شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں اور پھولوں میں سے رس چوستی ہیں۔یہ بھی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو سکھایا ہے کہ ہر جگہ منہ نہیں مارنا۔اور مطالعہ کرتے وقت بھی ہر جگہ منہ نہیں مارنا۔اور اس جگہ جا کر چوسنا ہے جہاں آپ کو پاکیزہ رس ملے۔گندی جگہوں میں جا کر رس نہیں چوسنا۔یہ بھی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو سکھایا ہے۔تو وہ بہت سی جگہوں سے رس چوستی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو بتایا کہ "فاسلکی سبل ربك ذللا" اپنے رب کے راستوں کی طرف چل۔وہ راستے جو سہولت والے ہیں آسانی والے ہیں اور صاف ہیں، یہ تمام تراجم اکابر کی کتب میں موجود ہیں۔

Marfat.com

معلوم ہوا کہ رس چوسنے کے بعد جہاں رخ بنے وہاں نہیں جانا۔ مختلف جگہوں سے مطالعہ کیا اور جہاں رخ بنے وہاں چلے جانا یہ بھی ناکام مدرس ہے۔ شہد کی مکھی سے اللہ تعالیٰ سبق دے رہا ہے ایک مدرس کے لیے، اس نے مدرس بننے کے بعد کیا کرنا ہے؟ ایک مدرس بن کر مختلف جگہوں سے رس چوسے گا پھر اس کے بعد بھی اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے گا۔ اپنے نفس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلے گا۔

یہی وہ خشیت الٰہی اور تعلق مع اللہ ہے اور یہی ان بزرگوں کے ساتھ تعلق اور یہی باتیں اکابر فرماتے ہیں۔ پھر ہوگا کیا؟ جب شہد کی مکھی اپنا گھر بنالے گی خاص جگہ پر اور جب مختلف جگہوں سے رس چوس کر اپنے گھر میں واپس جاتی ہے تو آگے اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه پھر اس کے اندر سے میٹھا مشروب نکلے گا، جو مختلف رنگ کا ہے۔

فیہ شفاء للناس اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ پھر اس مدرس سے جو علم نکلے گا اس سے اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔ اتفاق پیدا ہوگا۔ پھر اس مدرس سے جو علم نکلے گا اس سے دل جڑیں گے، ٹوٹیں گے نہیں۔ پھر اس مدرس سے جو علم نکلے گا وہ تکبر پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ عاجزی اور انکساری پر مبنی ہوگا۔ پھر وہ اس مدرس کے اندر سے درسگاہ کے اندر جو شہد نکل رہا ہوگا اس میں تعصب کی بیماری کے لیے شفا ہوگی۔ اس میں انسانیت کی ناواقفیت اور جہالت کے لیے شفا ہوگی۔

"ان فی ذالك لاية لقوم يتفكرون"

اللہ نے اس میں لوگوں کے لیے سوچ و بچار رکھا ہے۔ ایک مدرس جب اس شہد کی مکھی سے سبق حاصل کرے گا۔ تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ اس کے منہ سے شہد اس کے شاگردوں میں ضرور منتقل فرمائے گا۔

Marfat.com

اگر وہ ان میں سے ایک روش بھی چھوڑے گا یا ایک جگہ بھی غلطی کرے گا تو وہ شہد نہ ہوگا کچھ اور ہوگا۔ کیونکہ یہی مکھی ہے اس کے اندر سے شہد نکلتا ہے اس کے مقابلے میں وہی جانور اور بھی ہیں ان کے پیٹ کے اندر سے غلاظت نکلتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو جو سلیقہ سکھایا۔ واوحی ربك الی النحل اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستوں پر جب وہ مکھی چلی تو اس کے اندر سے شہد نکلا اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ اس لیے آج وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ایک مدرس ایک تحقیقی انداز میں کیسے تدریس کرے۔ وہ انداز تدریس جس کو ذہن میں لانے کے لیے اکابرین کی اجازت سے میں عرض کررہا ہوں کہ اس کو تین حصوں میں تقسیم فرمائیں۔

تاکہ پھر وہ باتیں جو تحقیق کے انداز ہمارے سامنے آئیں ان کو صرف درجہ علیا کی کتب میں نہ سمجھ لیا جائے یا درجہ وسطی کی کتب میں نہ شمار کرلیا جائے پھر ابتدائی درجات والے بھی ذہن میں بات کو لے آئیں گے۔ اس لیے ہمارے ہاں تدریس کے انداز کہ بسا اوقات ابتدائی کتب میں اگر وہ اردو میں ہو تو بعینہ ان ہی الفاظ میں یاد کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسے علم الصرف اور نحو وغیرہ، تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس میں تحقیق کا کیا تعلق ہے۔ یا اس کو رٹوانے کی کوشش ہوتی ہے یا پھر ترجمہ کرادیا جاتا ہے۔ جیسے میزان الصرف وغیرہ اور اگر یہ ابتدائی کتابیں اس میں تمارین ہوں تو ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یا طلباء سے حل کروایا جاتا ہے۔ یہاں اساتذہ کی مختلف رائے ہیں جو کہ درست ہیں۔ بعض اساتذہ خود حل کرکے طلباء کو بتاتے ہیں۔ بعض حل کرکے طلباء کو لکھواتے ہیں۔ بعض طلباء سے حل کرواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشقوں کا کام ہی یہ ہے کہ طالب علم سے پوچھا جائے لیکن ایک بات عرض کروں، ان اساتذہ سے اجازت چاہتے ہوئے، کچھ

Marfat.com

بات غلط ہو جائے تو میری اصلاح فرمادیں گے اور مجھے معاف بھی فرمادیں گے۔
آپ تو سب اساتذہ ہیں یہ طالب علم ہوتے بڑے ”ظالم“ ہیں۔ بے وقوف سے بے وقوف طالب علم ہوگا، تو جب استاذ اس کے سامنے پڑھا رہا ہوتا ہے وہ اندازہ لگالیتا ہے کہ آج استاذ کو خود سبق آتا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا طلباء بڑے ظالم ہوتے ہیں یہ خاص معنی میں عرض کیا ہے۔ ویسے تو طلباء کی اتنی فضیلتیں بیان ہوتی ہیں لیکن جو جملہ میں عرض کر رہا ہوں وہ انشاء اللہ سمجھ میں آجائے گا۔ اب جب تمارین حل ہو رہی ہوتی ہیں ”علم الصرف“ اور ”علم النحو“ کی تو جب استاذ پوچھ رہا ہوتا ہے تو اس کے پوچھنے کے انداز اور جواب سے طالب علم اندازہ لگالیتا ہے کہ استاذ جی کو خود بھی معلوم ہے یا نہیں، صیغہ صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن اگر آپ رات کو تحقیق کر کے گئے ہیں تو طالب علم اندازہ لگالے گا کہ استاذ جی کو سبق خود آتا ہے۔ اس لیے مہربانی فرما کر ابتدائی کتابوں کا بھی مطالعہ کر کے جائیں۔ جوان کے مطالعہ کے لیے خاص نہج بتائی جاتی ہیں ان کے مطابق سبق یاد کر کے جائیں اور اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو استاذ کے جو نقوش اس طالب علم کے اوپر پڑتے ہیں وہ بہت ہی منفی قسم کے ہوتے ہیں لہٰذا سب سے پہلے بنیادی بات اسی شہد کی مکھی سے سبق حاصل کرتے ہوئے کہ آپ رات کو مختلف جگہوں سے مختلف پھولوں سے مختلف پھلوں سے رس چوس کر جمع کریں تاکہ اگلے دن شہد منتقل کر سکیں، وہ ایک الگ بات ہے کہ ہمارے اساتذہ بعض کہتے ہیں کہ اردو شروحات سے بھی مدد لی جائے۔ بعض اردو شروحات کو بالکل علم کے لیے زہر قاتل قرار دیتے ہیں۔ بالکل ظاہر ہے کہ دونوں حضرات درست ہیں۔ لیکن اب تو ہمارے اساتذہ و مشائخ کہتے ہیں کہ اگر اردو شروحات سے بھی تیاری کر لی جائے تو بھی غنیمت ہے۔ پھر ایسی صورت میں بہت محتاط ہو کر چلنا ہوگا۔ بہت ہی محتاط ہو کر بات کرنا ہوگی۔ بات کو بڑے طریقے سے سنبھالنا ہوگا۔

Marfat.com

چنانچہ سب سے پہلی بات کہ بنیادی کتابیں جو کہ درجہ اولیٰ سے درجہ ثالثہ تک کی کتابیں ہیں ان کو تو روزانہ استاذ کم از کم دو دن، تین دن کے اسباق کی تحقیق کر کے جائے۔ اب وہ تحقیق اس کے لیے کیا ہے؟ بنیادی کتابیں پڑھانے والے کے لیے تحقیق یہ ہے کہ ایک تو یہ کہ عبارت کو درست کرے جو لفظ اس کے منہ سے نکلے علم الصرف کا ہو یا علم النحو کا اردو زبان میں یا فارسی پڑھا رہا ہے۔ میزان وغیرہ اس صورت میں اس کی عبارت درست ہو، اس کی زبان سے بالکل درست لفظ نکلے۔ اس کی تحقیق کرے پھر اس کے بعد اس کا مضمون اس کے ذہن میں بالکل واضح ہو۔

پھر ساتھ یہ کہ بسا اوقات کتاب میں کتابت کی غلطی ہوتی ہے۔ اگلے دن یہ سبق میں پہنچتا ہے تو طالب علم یہ کہتا ہے کہ میری کتاب میں یہ لکھا ہے دوسرا کہتا ہے کہ میری علم النحو میں یہ لکھا ہے اب استاذ صاحب کہتا ہے کہ دکھاؤ یہ دکھاؤ وہ دکھاؤ۔ تو طالب علم اندازہ لگالیتا ہے کہ استاذ صاحب کو خود صحیح طرح معلوم نہیں کہ صحیح کیا ہے۔ لیکن جب آپ اس میں تھوڑا تیار ہو کر جاتے ہیں ابتدائی کتب میں کہ جو کاتب کی جو غلطی ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہو اور ایک وہ کتاب نظر آ جائے جو علم النحو علم الصرف طلباء کے پاس ہوتی ہے تو وہ دونوں قسم کے ناشرین کی کتابیں آپ کے پاس ہوں۔ تحقیق کر کے جائیں اگلے دن بتائیں کہ آپ کی کتاب میں یوں لکھا اور آپ کی کتاب میں یوں لکھا، درست یہ ہے۔ اب طالب علم پر ایک اور عمدہ تاثر ہوگا۔ یہ تحقیق آپ کے لیئے ہے۔ یہ وہ ساتھی جو ابتدائی کتابیں پڑھا رہے ہیں ہوں پھر اس کے بعد وہ صیغہ ہو تو صیغہ آپ خود تیار کریں اگر وہ ترکیب ہو تو ترکیب آپ خود تیار کرلیں۔ یہ آپ کے لیے تحقیق ہے کہ آپ اس سبق کے صیغوں کو اور اس کی تمرینات کو بہت حد تک تیار کر کے میدان میں

Marfat.com

اتر رہے ہیں تو انشاء اللہ وہاں آپ کو ھزیمت اور ایک شکست اور بہت ہی عجیب و غریب حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ میں یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ ہمارے اکابر نے بھی اس پر کاوشیں فرمائیں۔ چنانچہ میں آپ کے سامنے جو باتیں رکھ رہا ہوں اور آپ تک منتقل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ میں بھی سبق یاد کر کے آیا ہوں، سیدھی سیدھی بات ہے۔ سبق لکھا ہوا بھی ہے اور ساتھ لے کر بھی آیا ہوں تا کہ اکابر کی دعائیں مل سکیں۔ اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جو کہ وفاق المدارس کے صدر بھی رہے اور خیر المدارس کے مہتمم بھی رہے۔ اور ہمارے اکابر کے اساتذہ میں بھی شامل ہیں۔ الحمدللہ حضرت نے عربی مدارس کے اساتذہ کے لیے تحقیق کے ساتھ تدریس کے لیے کچھ اصول بتائے اور اصول لکھے اور رسالہ لکھا اس میں حضرت نے کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا، اور تین حصوں میں تقسیم کرنے سے پہلے حضرت نے چند ایک اصول بتائے تحقیق کے اور تدریس کے اس میں فرمایا کہ

۱) سب سے پہلے یہ کہ اساتذہ اپنے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن میں ہر ہر سبق کی ایسی ترتیب قائم کر لیا کریں کہ جسے طلباء کے ذہن بآسانی قبول اور ضبط کر سکیں اور پڑھاتے وقت وضاحت اور سہولت کا خاص خیال رکھیں۔

۲) پھر فرمایا کہ کم محنت اور بد محنت طلباء سے محنت کرائے اور یاد کرانے کا ایسا احسن انداز اختیار کریں کہ طالب علم محنت کا عادی ہو جائے اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادی ثلاثہ یعنی تعریف، موضوع اور غرض و غایت اور مصنف کے حالات زندگی اور کتاب کی خصوصیات اور طرز تعلیم بھی طلباء کو ذہن نشین کرائی جائیں۔ یہ چیزیں بنیادی کتب

Marfat.com

کے اندر بھی اور باقی بڑی کتابوں کے لیے بھی ہیں جو مدرس ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے تو طلباء کے ذہن میں اس مدرس کا ایک نقش بیٹھتا چلا جاتا ہے کہ یہ ایک محقق مدرس ہے اور یہ تحقیق کے ساتھ اس میدان میں اترتا ہے چنانچہ آپ نے اسباق کا آغاز ہی اس طرح کیا کہ آپ سب سے پہلے اس فن کی تعریف، موضوع، غرض و غایت بیان کرتے ہیں پھر مصنف کے حالات بیان کرتے ہیں پھر کتاب کی خصوصیات بتاتے ہیں اور پھر طرز تعلیم بتاتے ہیں۔ چنانچہ طلباء کے ذہن میں اس استاذ کے بارے میں ایک اہم تاثر جمتا ہے۔ یہ نصیحت بھی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے لکھی ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت نے یہ فرمایا کہ مختلف درجات کی کتابوں کو پڑھانے کے لیے مختلف طریقے ہیں اور تعلیمی حیثیت سے تین طبقوں میں حضرت نے تقسیم فرمایا۔ (۱) اولیٰ (۲) وسطیٰ (۳) علیا

''اولیٰ'' وہ ہے درجہ اولیٰ سے لے کر درجہ ثالثہ تک'' پہلا طبقہ میزان الصرف سے لے کر کافیہ وغیرہ تک اور'' دوسرا طبقہ ''وسطیٰ'' ہے جو شرح جامی سے لے کر ہدایہ اولین تک۔

علیا وہ ہے جو تفسیر جلالین سے لے کر دورہ حدیث تک۔ پھر حضرت نے ہر طبقے کے لیے تدریس کے اصول بتائے کیسے اس کو پڑھایا جائے۔ جو طبقہ اولیٰ ہے۔ میزان الصرف سے لے کر کافیہ تک اس طبقے کو کوشش کی جائے کہ ترجمہ لفظی اور معنی خیز ہو تقریر مختصر ہو اور ذہن نشین ہو انداز بیان سادہ اور سہل ہو تفہیم مضمون آسان الفاظ میں ہونی چاہیئے۔ نفس مسئلہ طالب علم کے ذہن نشین کرانے کے بعد اس کی زبان سے دہرایا جائے۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد اپنے طلبہ کو نظروں کے سامنے بٹھا کر سبق یاد کروانا چاہیئے۔ یہ ایک وہ استاذ ہے جو تحقیق کے ساتھ

Marfat.com

تدریس کرنا چاہتا ہے۔ وہ اگر ابتدائی کتابوں کے اندر سنتا نہیں صرف پڑھا کر آجاتا ہے ایسی صورت میں بسا اوقات اس کو محسوس ہوتا ہے کہ چند ہفتوں کے بعد کہ شاید اس نے دیواروں کو پڑھایا ہے طلباء کو نہیں پڑھایا۔ بنیادی کتابوں کے اندر اولیٰ سے لے کر ثالثہ تک اس میں سبق سننے کو ترجیح دی جائے۔

پھر حضرت نے میزان الصرف کے بارے میں بیان فرمایا کہ میزان الصرف کو خوب اچھی طرح سمجھا کر تھوڑا تھوڑا باترجمہ پڑھایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ علم الصرف پڑھادی جائے۔ اور پھر فرمایا کہ میزان الصرف کی ترتیب کے مطابق صیغوں اور گردانوں کے نام خوب یاد کروادیئے جائیں۔ اب یہاں ہمارے ہاں بس ماضی بنانے کا طریقہ، مضارع بنانے کا طریقہ جو لکھا ہے وہی رٹوا دیا، وہی یاد کروادیا۔ لیکن اگر اسی کو تحقیق کے ساتھ سمعی و بصری معاونات کو بھی استعمال کرلے تھوڑا سا تختہ سیاہ کو استعمال کرلے اور اس میں بتائے کہ صیغہ کے اندر کیا اضافہ ہوا ہے۔ ایک کرلو وہ یاد کرلیا گردان کا بھی کہا کہ یاد کرلو جو کہ لکھی ہوئی ہے ایک تو یہ سبق ہے ماضی معروف کو پڑھائے گا اور ایک یہ ہے کہ استاذ کا اپنا ذہن واضح ہو یہ صیغہ کیسے بنتا ہے۔ استاذ محنت کرتا ہے اور اپنی تحقیق پیش کرتا ہے، سب کچھ کتاب میں نہیں لکھا ہوا لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ دیکھو بچو فعل میں الف کا اضافہ کردیا اور فعلا بن گیا، واو اور الف کا اضافہ کیا تو فعلوا بن گیا اور یہ فعل ہے تو اس کے آگے ت ساکن لگائی تو فعلت بن گیا یہ صیغے اس کو لکھ کر دکھائے۔ ایک یہ ہے کہ لکھا ہوا یاد کرایا اور ایک یہ ہے کہ اس کو خود لکھ کر دکھائے۔ وہ تختہ سفید پر صیغے بنا کر ان کی بناوٹ میں کیسی کیسی تبدیلیاں آئی ہیں وہ اس تک منتقل کرتا ہے یہاں الحمدللہ آپ سب حضرات اور مشائخ موجود ہیں بہت سے اساتذہ اس پر عمل کرتے ہیں وہ صرف کی تعلیلات کو جب تحقیق کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ ایک یہ کہ علم

Marfat.com

الصیغہ کے اندر یہ لکھا ہے کہ قاعدہ نمبر ۷ قاعدہ نمبر ۸ وغیرہ ہر ایک کی مثال موجود ہے اور تھوڑا اجراء بھی بتا دیا اور ایک یہ ہے کہ تختہ سفید کو استعمال کر کے بتایا کہ دیکھو اصل میں یہ تھا پھر اس کے بعد پوری تعلیل کر کے بتاتا ہے۔ دیکھیے !اگر آپ علم الصیغہ کا ایک قاعدہ پڑھاتے ہیں اور اس میں آپ کی اپنی تحقیق نہیں لیکن اس کو تحقیق کے ساتھ ثابت کر کے دل میں اتارتے ہیں تو اسی کا نام تحقیق ہے۔ یہ نہیں ہے علم الصیغہ کا قانون ہے اس میں کیا تحقیق ہے؟ تحقیق کا معنی ہے ثابت کرنا۔ ہم بسا اوقات مستقل رٹواتے ہیں ثابت نہیں کرواتے۔ علم الصیغہ کے اندر اس وجہ سے تحقیقی مزاج نہیں بنتا ہے۔ تحقیق کے ساتھ ہوئی تعلیل کیسے ہوئی۔ حضرت نے یہ لفظ لکھا ہے کہ یہ بھی میرے اپنے پاس سے نہیں ہے۔ صحیح ابواب کے صیغے نکالنے اور بتانے کی خوب مشق کرائی جائے۔ اس مشق کے لیے تختہ سفید کا خوب استعمال کیا جائے، دیکھو! ان بزرگوں کی نظر کہاں ہے۔

ہمیشہ تختہ سفید کا استعمال وہی استاذ کرے گا جس کے اندر تحقیق کا مادہ ہوگا۔ جس کے اندر تحقیق کا مادہ نہیں ہوگا، جو سر سے بوجھ اتارتا ہو وہ تختہ سفید کی طرف کبھی نہیں آئے گا، اگر آئے گا تو بھی اس کے ہاتھ کانپیں گے وہ لکھے گا کیا؟ اس لیے یہ رات کو بیٹھ کر ان صیغوں کو حل کرتا ہے کہ ان کی تعلیل کیسے ہوئی ہے؟ جب وہ کلاس میں ہاتھ چلائے گا تو طلباء ہاتھ چلانے ہی سے استاذ کی تحقیق کا اندازہ لگالیں گے۔ پھر اس کے بعد حضرت نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ صرف کے تمام اسباق ایک استاذ کے پاس ہونے چاہییں جو کہ آزمودہ کار ہو۔ نو آموز مدرس کو ہرگز یہ اسباق سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ اب یہاں مشکل پیش آئے گی اگر یہ سبق کہنہ مشق استاذ کو دے دیا جائے تو نچلے درجے کے اساتذہ کس چیز میں مشق کریں گے؟ یہ کن کو پڑھائیں گے؟ اس کا طرز بھی اکابرین نے بتا دیا کہ اگر ایک سال میں صرف کی دو

Marfat.com

کتابیں ایک ساتھ شروع ہو جائیں تو صرف کی ایک کتاب نو آموز مدرس اور دوسری کتاب کہنہ مشق مدرس پڑھائے یا نو آموز مدرس، ماہر اور مشاق استاذ سے تعلق قائم کرے پھر وہ پڑھائے۔

پھر حضرت نے شرح مأتہ عامل کے بارے میں بتایا کہ شرح مأتہ عامل کس طرح پڑھائی جائے؟ نوع اول وغیرہ ایک دن ترجمہ اور عبارت پڑھائی جائے نوع الثانی کے آخر تک چھوٹی چھوٹی ترکیبیں کرائی جائیں۔

اب ہمارے ہاں پوری پوری عبارت کی ترکیب کروائی جاتی ہے۔ اور طالب علم اجراء کے میدان میں جب آتا ہے تو اسے اجراء میں مشکل پیش آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ چھوٹی ترکیب مثالوں کے ساتھ جب طلباء کے سامنے رکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز شرح مأتہ عامل بھی کارآمد ہوگی۔ ہدایۃ النحو اور مرقات کے بارے میں حضرت نے لکھا کہ یہ کس طرح پڑھائی جائیں؟

اصطلاحی الفاظ کی تعریفات اصل عربی زبان میں یاد کرائی جائیں اور قواعد کو اردو زبان میں ازبر کرایا جائے اور شب و روز کی گفتگو میں منطق کا اس طرح اجراء کرایا جائے کہ طلباء محسوس کریں کہ ہم سب منطقی ہیں۔ اب یہ منطق اور فلسفہ جس کو اب کوئی اور معنی میں لیا جانے لگا ہے بسا اوقات ہمارے مدرسین کی آپس میں باتیں ہوتی ہیں منطق اور فلسفہ کے بارے میں کہ جس مدرس کو بدنام کرنا ہو اس کو منطق اور فلسفہ دیتے ہیں۔ اور اساتذہ جو منطق اور فلسفہ سے گھبراتے نہیں ہیں جیسے کہ ہمارے مشائخ ہیں جیسا کہ وہ ہر استاذ سے کہتے ہیں کہ وہ منطق اور فلسفہ پڑھائیں۔ جتنے بڑے اساتذہ ہیں اور ہمارے مشائخ وہ سب کے سب منطق اور فلسفہ کے ماہر تھے۔ جو منطق مرقات، شرح تہذیب اور دوسری منطق کی کتابیں جو استاذ اچھی طرح پڑھا سکتا ہے وہ ہدایۃ بھی اچھی طرح پڑھا سکتا ہے اور کنز بھی

Marfat.com

اچھی طرح پڑھا سکتا ہے۔ لیکن یہ انسان اگر بحیثیت مدرس منطق پڑھانے سے گھبرائے گا تو وہ کامیاب مدرس نہیں بن سکے گا۔ اس لیے کہ منطق انسان کے اندر تحقیق کا مادہ پیدا کرتی ہے اور صحیح بولنے کا مادہ بھی پیدا کرتی ہے۔ دلائل کا مادہ بھی پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ آپ جتنے بھی اکابر مدرسین کو دیکھیں گے وہ سب کے سب منطق کے اندر مضبوط ہیں۔ پھر حضرت نے ابتدائی طبقات کے اندر تحقیقات کا مادہ سب سے پہلے عبارت، ترجمہ، مفہوم، اگر کوئی صیغے ہوں تو ان کے بارے میں طے شدہ بات اور اگر ترکیب ہو تو اس کو بھی طے شدہ ترکیب تیار کر کے استاذ میدان میں اتریں۔ انشاء اللہ یہ ابتدائی کتب کے لیے محقق مدرس ثابت ہوگا۔

پھر حضرت نے طبقہ وسطی یعنی درجہ رابعہ سے لے کر درجہ سادسہ تک (شرح جامی سے لے کر ہدایہ اولین) اس کے لیے بھی طریقہ کار لکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا عبارت بقدر ضرورت ایک ایک مسئلے کی پڑھوائی جائے لفظی اور اعرابی غلطی پر متنبہ کیا جائے اور فرمایا کہ ہر روز ایک ہی طالب علم سے عبارت نہ پڑھوائی جائے اور باری بھی مقرر نہ کی جائے بلکہ استاذ جس طالب علم کو مناسب سمجھے اس کو عبارت پڑھنے کے لیے کہے۔ تا کہ ہر طالب علم عبارت تیار کر کے آئے اور پھر اس کے بعد حضرت نے اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے فرمایا کہ طلباء سے خود بھی مطالعہ کی تاکید کر کے ان سے کچھ امور حل کرانے کی کوشش کی جائے۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت نے فرمایا کہ ہماری درسگاہوں میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم سے صیغہ پوچھا عبارت پڑھتے پڑھتے غلط لفظ بولا، صیغہ کیا ہے؟ تم بتاؤ، تم بتاؤ، تم بتاؤ۔۔۔ بیس پچیس لڑکوں سے پوچھا تو پانچ دس منٹ صرف ہو جاتے ہیں۔

حضرت نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ سبق پڑھاتے ہوئے

Marfat.com

ایک مدرس کئی منٹ لگا دیتا ہے۔ یہ تحقیق نہیں ہے، یہ وقت کا ضیاع ہے۔ دس لڑکوں سے بار بار پوچھا جارہا ہے، تو بتا، تو بتا، تم کیا کر کے آئے ہو، وقت ضائع کر کے آئے ہو اور "ملفوظات" بھی سناتے ہیں۔ میں ملفوظات کی تضحیک نہیں کررہا بلکہ ملفوظات کو دوسرے معنی میں لے رہا ہوں۔ یہ جو درمیان میں استاذ شروع ہوجاتے ہیں یہ تحقیق نہیں ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ استاذ کا اپنا ذہن صاف ہو طالب علم سے غلطی ہوئی ہے تو ایک آدھ طالب علم سے پوچھ کر درست بات کو واضح کر کے آگے چلے، وقت نہ لگائے یہ بھی اس طبقے کے مدرسین کے لیے بہت اہم ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت نے تکرار کا فائدہ بتایا۔ پھر کنز الدقائق اور اصول الشاشی وغیرہ فنی کتابوں میں فن کی اصطلاح اور اصطلاحی الفاظ کی تعریف اور اس کو ذہن نشین کرانا اور اصل فن سے مناسبت پیدا کرنا یہ بھی حضرت نے کنز الدقائق اور اصول الشاشی وغیرہ کی کتب کے لیے وہاں بھی سب سے پہلے عبارت، ترجمہ، مفہوم اور پھر اس کے بعد جو مسئلہ موجود ہے اس کے بارے میں استاذ بالکل ذہنی طور پر واضح ہو کہ میں اس کو کیسے بیان کروں اور میں نے اس کے سامنے کون سی بات بیان کرنی ہے۔ اور اس درجے میں خاص طور پر ہمارے مشائخ موجود ہیں یہ جو ہدایۃ النحو کے بعد کافیہ اور شرح جامی کا جو انداز ہے سوال در سوال دفع دخل مقدر یہاں طالب علم کو نحو تو نہیں آتی لیکن سوال و جواب کرنا آجاتے ہیں۔ وہ اس کا اجراء نہیں کر پاتا قانون اس کے ذہن میں نہیں ہوتے۔ ہر وقت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اب سوال کابلی اور تحریر سنبٹ کے انداز سے کافیہ پڑھنے اور پڑھانے والے وہ دونوں بسا اوقات محسوس کرتے ہیں استاذ صاحب جو سوال و جواب بتارہے ہیں وہ خود بھی ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہیں اور طلباء بھی سمجھتے ہیں کہ وہ سوال و جواب ہمیں بھی سمجھ میں نہیں آرہے ہیں۔ ایسی صورتوں میں تحقیق نہیں ہورہی کچھ اور ہی ہورہا ہے۔

Marfat.com

وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔ اس لیے ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، ان میں نفس عبارت میں آنے والا ایک سوال اور ایک جواب دفع دخل مقدر کے ذریعے جو بات آپ واضح کرنا چاہ رہے ہیں اس کو طے فرمالیں۔ ٹھیک ہے آپ کئی شروحات دیکھیں جو میں نے شروع میں آیت کے حوالے سے عرض کیا، کئی جگہ سے آپ نے شروحات دیکھیں کامیاب محقق مدرس وہی ہوگا جو کئی شروحات کا مطالعہ کرنے کے بعد پھر اپنے ذہن میں وہ ایک بات بٹھالیتا ہے کہ میں نے صبح طالب علم کے سامنے کیا بیان کرنا ہے۔ یہ ہے ایک کامیاب محقق و مدرس۔

اس طبقے کے درمیان وہ ٹھیک ہے کہ کئی شروحات دیکھیں کئی شروحات کو دیکھنے کا مقصد اس جگہ کو واضح کرنا اور واضح کرنے کے بعد پھر اس بات کو طے کرلیں کہ میں نے طلباء کے سامنے کیا سوال رکھنا ہے، کیا جواب رکھنا ہے، کیا تشریح کرنی ہے، کیا تقریر کرنی ہے؟ یہ بھی انشاء اللہ ایک محقق مدرس ثابت ہوگا۔

حضرت نے اس درجے کے لیے ترجمۃ القرآن الحکیم کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں صرفی، نحوی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے علوم و معارف قرآن مجید کے، اس کی بجائے قرآن مجید کے مفردات کے لغوی معنی، محل اعراب بتایا جائے پھر سادہ اور مطلب خیز لفظی ترجمہ بتایا جائے پھر شان نزول اور قصص پر بقدر ضرورت اکتفا کیا جائے، ربط آیات پر توجہ کی جائے اور ترجمہ پر خاص توجہ دی جائے، آج بسا اوقات اس درجے میں بھی طلباء کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ سے پڑھتا بھی اور سب کچھ سیکھتا بھی ہے لیکن جب ترجمے کا وقت آتا ہے تو یہ طالب علم ترجمہ قرآن مجید نہیں کرسکتا، اس سے علوم معارف سن لیں، تاویلات و توجیہات وغیرہ سن لیں اور سب باتیں اختلافات کی سن لیں، نفس قرآن مجید کے ترجمہ سے عاجز ہوتا ہے اس درجے کا طالب علم۔

Marfat.com

اور اس میں یقیناً استاذ ذمہ دار بن جاتا ہے۔ کہ یہ استاذ اس طالب علم کو ترجمۃ القرآن کی حقیقت تک نہیں لا سکا۔

پھر اس کے بعد اس درجے کے ترجمے کو پڑھایا جائے۔ اس میں جو مسائل ہیں اس کے سامنے رکھ دیے جائیں جو فقہی مسائل اور جو خاص بات ہو وہ رکھ دی جائے جو شان نزول بیان ہوا ہے وہ رکھ دیا جائے جو اس آیت کے متعلق چیزیں ہوں اس کا مطالعہ کر کے جائے۔

ہمارے ہاں جو مدارس کے اندر یہ رواج جو چل پڑا ہے کہ ترجمۃ القرآن الحکیم، ہمارے اساتذہ اس درجے کے طبقہ وسطی کے اساتذہ، ترجمۃ القرآن کو پڑھانا اپنے لیے تذلیل سمجھتے ہیں جب تقسیم اسباق کا وقت ہوتا ہے ترجمۃ القرآن الحکیم جب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تو اپنے لیے تذلیل وتوہین سمجھتے ہیں، ترجمہ اور بھی پڑھالے گا اس کو دے دو، مجھے ہدایہ دے دو مجھے کنز دے دو یعنی قرآن حکیم کو جس کے لیے سب کچھ پڑھ رہے ہو، اس کے لیے جید مدرس ہوتا ہے وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔ جید مدرس جس کو چار، پانچ، چھ سال، ہو جاتے ہیں۔ طلباء کے اندر ذرا شہرت ہو جاتی ہے ذرا باریک باریک مسئلے بیان کرنے کی اور منطقی باتیں بتانے کی عادت ہو جاتی ہے پھر وہ قرآن مجید پڑھانے کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کسی اور کو دے دو حقیقت یہ ہے کہ مدرس اہل تھا اس بات کا کہ یہ تحقیق کرتا اور تحقیق کرنے کے بعد اپنے شاگردوں کو پڑھاتا اور یہ سبق لیتا۔ جو استاذ صرف ترجمہ قرآن مجید پڑھتا ہے اور آگے منتقل کرتا طلباء بھی اس کو ترجمے والا استاذ کہتے ہیں اس کی حیثیت ہی یہی ہے۔ آگے نہیں چلا پاتا تو کہاں سے ان طلباء کے اندر ترجمے کی تحقیق آئے گی اور کہاں سے تفتیش آئے گی اور کہاں سے شان نزول آئے گا اور کہاں سے ان کے اندر واقعات آئیں گے اور کہاں سے جو قرآن مجید کے

Marfat.com

اندر تفقہ ہے اور جو تعمق وہ آئے گا، وہ ترجمہ پڑھا کر فارغ ہو جائے گا اس لیے کہ آپ نے ترجمہ پڑھانے کے لیے خاص استاذ رکھ لیے ہیں۔

ایسی صورت کے اندر ترجمہ قرآن حکیم ایک اہم چیز ہے۔ اسی لیے ہم سب کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت نے ہدایہ اولین اور علوم وفنون کے لیے کچھ ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اور اگر آپ کو چاہیے ہوں تو آپ ذہن میں رکھ لیجیے گا کہ وفاق المدارس نے جو سولہ سالہ نصاب شائع کیا ہے اس کے آخر میں مولانا خیر محمد صاحبؒ کے تمام اصول جو میں بیان کر رہا ہوں تحقیق کے ساتھ، انسان کیسے پڑھائے یہ تمام موجود ہیں۔

پھر اس کے بعد حضرت نے جو آخری سال یعنی طبقہ علیا کے بارے میں حضرت نے جو باتیں بیان کی ہیں کہ درجہ سادسہ سے اوپر کی کتابیں (سابعہ سے لے کر دورہ حدیث تک) اس کے لیے مشائخ کی اجازت سے عرض کرنا چاہوں گا حضرت نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا کہ اس درجے کے جو اساتذہ ہیں حضرت کا کہنا ہے کہ کتاب کے ساتھ ساتھ اس کے مستند حواشی، شروح اور اس فن کے محققانہ اور معاون کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ پڑھاتے وقت کتاب کے محل پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے طویل اور عریض مطالعہ میں فن کی ضروری اور اہم تحقیقات اور مسائل میں نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں روشنی ڈالنی چاہیے تاکہ ایک طرف کتاب بھی پوری ہو جائے اور دوسری طرف طالب علم کے کان جو ہیں فن کی اہم ضروریات سے آگاہ ہو جائیں۔ لیکن اس فن کے جو اساتذہ ہیں ان کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ آج جو حضرت نے مجھے موضوع دیا ہے وہ یہ ہے کہ تحقیقی انداز میں تدریس کی اہمیت وضرورت کیا ہے؟

اصل میں ہوتا کیا ہے کہ وہاں درجہ علیا کے اندر جا کر جو اساتذہ ہوتے

Marfat.com

ہیں ان کا انداز جو ہے وہ مناظرانہ ہو جاتا ہے تحقیقانہ نہیں ہوتا۔ درجہ علیا کے مدارس کے اندر جو اساتذہ ہیں ان سے مناظرانہ طریقہ اختیار ہو جاتا ہے۔ جب سبق پڑھ کر لڑکا آتا ہے، باہر نکلتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی کمرے کے اندر امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی جنگ ہو رہی تھی اور امام ابوحنیفہ جیت گئے ہیں۔ یہ تاثر لے کر لڑکا باہر نکلتا ہے۔ یہ مناظرانہ طریقہ اور تحقیق کے طریقے میں فرق کیا ہوتا ہے؟ اس کو تھوڑا سا اگر مشائخ کے سامنے رکھ دیا جائے تو اس کو دہرانے میں تھوڑی سی افادیت ہوگی انشاء اللہ۔ جو مناظرانہ طرز ہوتا ہے اس میں یوں ہوتا ہے کہ ایک مدرس اپنے ذہن میں ایک موقف رکھ کر سبق میں اترتا ہے، درسگاہ میں اترتا ہے پھر اس پر دلائل دیتا ہے پھر اس میں اپنے مسلک کو فاتح قرار دے کر باہر آتا ہے۔ یہ ہے مناظرانہ طریقہ اور تحقیق کا طریقہ کیا ہے؟ یہ بھی ایک تحقیق ہے اس کے بھی بہت سارے فائدے ہیں لیکن نقصان یہ ہے کہ طالب علم کے ذہن میں ایک خاص نقش اور خاص چھاپ بٹھانے میں کامیاب ہوتے ہیں جب اس فارغ التحصیل لڑکے کے سامنے مخالفین تحقیق کے انداز میں بات کرتے ہیں تو لاجواب ہو جاتا ہے۔ اگر میں اپنی بات کہہ سکا ہوں تو مناظرانہ انداز میں فقہ پڑھا لی، اصول فقہ پڑھا لی، تفسیر پڑھا لی، اور حدیث پڑھا لی تو اس میں یوں ہے کہ پھر جب اس کے سامنے فارغ ہونے کے بعد جب تحقیقی انداز میں کوئی بات کرتا ہے تو یہ لاجواب ہو جاتا ہے کیونکہ ہم نے درسگاہ کے اندر تحقیقانہ انداز نہیں اپنایا بلکہ مناظرانہ انداز اپنایا ہے۔ ہم اپنے ذہن میں بات بٹھا کر چلے گئے کہ آج میں نے دلائل کے ساتھ ثابت کرنا ہے کہ اس میں میں نے چوبیس، بیس دلیلیں دینی ہیں کہ ہم زیادہ حق پر ہیں۔ پھر وہ مناظرانہ انداز میں جیت کر آ گئے۔ اس میں کچھ (نعوذ باللہ) تضحیک کے جملے بھی ہوتے ہیں، تذلیل کے جملے بھی ہوں گے، تخفیف کے جملے بھی ہوں

Marfat.com

گے، دوسرے مسالک کے لیے۔ یہ ہے مناظرانہ انداز اور جو تحقیق کا انداز ہوتا ہے اس میں پہلے ایک مسئلہ ہوتا ہے اس کے ذہن میں، وہ مسئلے کو ذکر کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد دلائل ذکر کرتا ہے پھر وہ نتیجہ خیزی کی طرف آتا ہے پھر وجہ ترجیح بیان کرتا ہے۔ اب تھوڑا سا باریک سا فرق آیا۔ لیکن اگر یہ درجہ علیا کے مدرس اس فرق کو محسوس کرلیں تو یہی محقق بن جائے گا صرف مناظر نہیں۔ مناظر غلط نہیں ہے مناظر اپنی جگہ صحیح ہیں ان کے بھی فضائل ہیں لیکن یہاں جو بات ہو رہی ہے کہ جو ایک مدرس ہے وہ تحقیق کے انداز میں تدریس کرے تو اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ اس درجے کے لیے یہ ہے کہ مطالعہ کر کے مسئلے کو ذہن میں لائے پھر دلائل دونوں طرف کے تیار کرلے اگر یہ ایک طرفہ ٹریفک چلائے گا تو پھر یہ شاگرد باہر نکلے گا دوسری طرف سے دلائل آئیں گے تو یہ چپ ہوگا پھر ان کے دلائل سے نتیجہ خیزی ہو، نتیجہ خیزی کے بعد وجہ ترجیح ہو۔

الحمدللہ ہمارے مشائخ و اکابر کا یہی طریقہ ہے ہمارے یہاں کے بھی بڑے اساتذہ جو پڑھاتے ہیں انکا بھی یہی طریقہ کار ہے کر دونوں طرف کے دلائل بیان کریں گے پھر وجہ ترجیح بیان کرتے ہیں جس سے طالب علم کے دل پر اثر ہوتا ہے کہ مخالف کیا کیا دلائل پیش کرسکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کامیاب مدرس ہو جاتا ہے۔

لیکن اخیر میں چند گزارشات عرض کر کے اس بات کو سمیٹتے ہوئے کہ تحقیق کے انداز میں تدریس کرنے کے لیے بنیادی اصول کیا ہوئے۔ یہ اب بات کا خلاصہ عرض کرنے لگا ہوں۔

۱) مطالعے کی وسعت

۲) متعلقہ کتب تک مدرس کی رسائی

Marfat.com

۳) غیر متعلق باتوں کو مطالعے کے بعد درسگاہ کے اندر زبان میں نہ لائے۔ کامیاب اور محقق مدرس وہ ہے جو رات کو ٹھیک مطالعہ کرتا ہے لیکن اس میں بھی احتیاط۔ لیکن اگر تو وہ زور دار استاذ ہے، بڑا طاقت ور استاذ ہے پھر تو ٹھیک ہے وہ جگہ جگہ مطالعہ کرے اور حق بات کو بیان کرے۔

اگر مطالعے میں کمزور کتابوں کو رکھا جائے اور مطالعے کے اندر ایسی کتابوں کو رکھا جائے جن کو دیکھنا ٹھیک نہ ہو، تو پھر بسا اوقات درسگاہ کے اندر وہ باتیں نکل جاتی ہیں اور طالب علم تک پہنچ جاتی ہیں لہٰذا ایک جملہ عرض کرنے لگا ہوں، غیر پارلیمانی، غیر مہذب الفاظ میں کہ تحقیق والا مدرس وہ نہیں ہوتا ہے جو اپنے مطالعے کو اگل دیتا ہے اپنے مطالعے کو بغیر سلیقے کے اگل دینا یہ تحقیق نہیں ہے بلکہ طلباء کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ وہ تحقیق ہے جو تشکیک پیدا کرتی ہے، خود ذہن پڑھانے والے کا صاف نہیں ہوتا ہے۔ خود یہ مدرس نتیجہ خیزی تک نہیں پہنچتا یہ خود رات کو جگہ جگہ کتابوں میں منہ مارتا ہے اور اگلے دن صبح کو آکر شروع ہو جاتا ہے اور طالب علموں کو چوراہے پر کھڑا کر کے کہتا ہے اچھا سبق ختم ہوگیا۔ جگہ جگہ اس نے مطالعہ کیا ذہن بھی صاف نہیں تھا اور بیان کیا اور طالب علم کو انگلی بھی نہیں پکڑاتا، چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ یہ تحقیق تشکیک پیدا کرتی ہے یہ تحقیق انسان کو دہریہ بناتی ہے، یہ تحقیق الحاد کی طرف لے جاتی ہے، اگر یہ مدرس اپنے ان اکابر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر تحقیق کی بات اور مطالعے کی بات نہ اگلے، بلکہ اپنے ذہن میں طے کرلے کہ میں نے کون سی بات ان طلباء تک پہنچانی ہے۔

ایک گزارش یہ ہے کہ تجربے سے یہ بات سامنے آئی کہ آپ نے ایک استاذ کو ایک کتاب دے دی اور اس کے بعد اس کو کہا جاتا ہے کہ تحقیق سے پڑھائیں۔ اب وہ استاذ یہ سمجھتا ہے کہ میں یہ کتاب طلباء کو ایک سال پڑھانی ہے

Marfat.com

آئندہ یہ کتاب میرے پاس رہے گی نہیں تو محنت کرنے کا کیا فائدہ؟ بس ٹھیک ہے اردو کی شرح دیکھ لو، وہ دیکھ لو، بس پڑھاؤ اور سر سے اتار لو، لیکن اگر ایک استاذ کو بعض مدارس کے اندر بعض شیوخ نے جو ترتیب بنائی ہے اور اساتذہ کو پتہ ہے کہ اگر یہ کتاب میں تحقیق کے ساتھ پڑھاؤں گا تو آئندہ سال بھی یہ کتاب میرے پاس رہے گی تو اس وقت یہ تیاری بھی کرتا ہے اور محنت بھی کرتا ہے کہ یہ میری محنت آئندہ بھی کام آئے گی اور میں عرض کروں کہ تحقیق کے ساتھ تدریس کے لیے آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کے ہاں حضرت قاری احمد میاں تھانوی دامت برکاتہم اور مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم اور دوسرے اساتذہ جو الحمدللہ یہاں پڑھا رہے ہیں، صرف آپ تجوید ہی کو لیجئے گا کہ یہاں تجوید جس طریقے سے تحقیق کے ساتھ پڑھائی جارہی ہے کہ وہ طلباء جو درجہ علیا کے ہیں جو حضرت سے تجوید پڑھتے ہیں اور پھر ان کو اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح وہاں مختصر المعانی بھی چل رہی ہوتی ہے، اور معانی، بیان، بدیع بھی چل رہے ہوتے ہیں، وہیں صرف ونحو کی باریکیاں بھی چل رہی ہوتی ہیں اور کس گہرائی میں وہ طالب علم کو لے جاتے ہیں۔ تو ان اساتذہ سے تحقیق کے انداز سیکھنے کی ہمیں ضرورت ہے اور اس کے ساتھ بھرپور کوشش ہو کہ آج کل کے جدید آلات سمعی وبصری کو استعمال کرنے کی کوشش ہو کہ ان سے بھی تعاون لیا جائے ان کو بھی سیکھا جائے اگرچہ سب بہت ضروری نہیں۔ لیکن کم از کم اتنا ہو کہ آپ زیادہ سے زیادہ ان تک پہنچ سکیں پھر میں عرض کروں کہ آج کے وقت کی اہم ضرورت ہے جو اساتذہ تحقیق کے ساتھ پڑھاتے ہیں اور ان کا انداز تدریس تحقیق والا ہو تو ان کی حوصلہ افزائی کی جائے ان سے حسد نہ کیا جائے بلکہ کوشش ہو۔ ٹھیک ہے کہ ہر استاذ کو جو کتاب ملی ہے۔ جو کتاب بھی آجائے اس کو تحقیق کے ساتھ پڑھایئے چاہے وہ تعلیم الاسلام ہی کیوں

Marfat.com

نہ ہو، تعلیم الاسلام کی کتاب ہے جب وہ آجائے تو اس کو تحقیق کے ساتھ پڑھایئے اگر چہ اردو کی کتاب ہے۔

آج کی اس مجلس میں ان اساتذہ کے سامنے بہت زیادہ لب کشائی کر لی، اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ جو خیر کی باتیں ہیں ان کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور جس طرح مشائخ نے تدریس کے تحقیق کے انداز میں پڑھانے کے سلیقے سکھائے اللہ تعالیٰ ان اصولوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمادے۔ امین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین .

☆☆☆☆☆

Marfat.com

نعمت مدارس

و

اکابر سے تعلق

مولانا محمد اشرف علی صاحب

تاریخ: 13-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

نعمت مدارس واکابر سے تعلق

الحمدُللّٰہ و کفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی امّا بعد

اعوذباللّٰہ من الشّیطٰن الرَّجیم، بسمِ اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحیم

﴿اِنَّما یخشَی اللّٰہَ مِن عبادِہِ العُلَماء﴾

صدق اللّٰہُ العظیمُ وصدق رسولُہ النبیُّ الکریمُ ونحن علیٰ ذالك لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین، اللّٰھمَّ صلِّ علیٰ سیّدنا ومولانا محمَّدِنِ النبیِّ الامّی وعلیٰ اٰلہ وبارِك وسلّم تسلیمَا۔

محترم علماء کرام! آج سے چند روز پہلے حضرت اقدس مولانا محمد مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی سرگودھا تشریف لائے۔ میں نے درخواست پیش کی، کہ آپ نے دودن کا دارالعلوم الاسلامیہ میں پروگرام رکھا ہے۔ اس میں میرا نام بھی شامل ہے۔ میں نہ تو اس کا اہل ہوں اور نہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار پاتا ہوں۔ براہِ کرم میری معذرت قبول فرمالیجئے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے لکھے ہوئے موضوع کو نہ دیکھیے، آپ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی طاہر مسعود مدظلہ کے ساتھ لاہور آجائیں۔ میرے ایک بھائی تو سرہند (ہندوستان) کے سفر پر چلے گئے، دوسرے بھائی میرے ساتھ ہیں اور شریک محفل ہیں۔ اس لئے حضرت مہتمم صاحب کے اصرار پر کچھ باتیں عرض کروں گا۔

پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں، کہ ۲۰۰۰ء میں مجھے سات افراد کے قافلے کے ہمراہ پاکستان سے افریقی ممالک کے سفر کرنے کی اللہ رب العزت نے سعادت عطا فرمائی، میری ہر سفر میں مدارس کو دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہاں بھی

Marfat.com

یہی خواہش اور یہی جذبہ رہا، اس کارگزاری سے پہلے، آپ کو اس ملک کی بات بتاتا ہوں، جو ہمارے لیے اور پورے عالم اسلام کے لیے ایک رہبر و رہنما ملک ہے، ریاض یونیورسٹی میں دو سال کے لیے ہم گئے، لیکن وہاں کے (سعودی) طلباء ہمیں بتایا کرتے تھے کہ جس طرح تم پاکستان میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کرتے ہو، اور ہم تمھاری کارگزاریاں سنتے ہیں، ہم ایک رہنما اسلامی ملک کے باشندے ہونے کے باوجود ایسے مدارس سے محروم ہیں۔ ہمارے ہمسفر پاکستانی عالم جو ہمارے پہنچنے سے پہلے ریاض یونیورسٹی میں طالب علم رہ چکے تھے ان سے عرب طلباء بخاری شریف اور دوسرے اسباق پڑھا کرتے تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ ہم تو یہاں پڑھنے کے لیے آئے ہیں اور یہ عرب احباب ہمارے ساتھی علماء کرام سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ حال بھی میرے سامنے تھا اور پھر افریقی ممالک کا جو واقعہ آپ کو سنانا چاہ رہا ہوں، کہ ہم نے سات ماہ کے سفر میں چار ماہ چار دن مغربی افریقہ کے ایک ملک ''مالی'' میں گزارے۔ ہم جس شہر میں جاتے، جس صوبے میں جاتے حتیٰ کہ دارالحکومت ''بماکو'' میں رہے، ہم نے چپہ چپہ چھان مارا، کہیں کسی مدرسے کا وجود نظر نہیں آیا اور قرآن کریم اتنا غلط پڑھتے تھے کہ اگر نماز کے بعد میں کھڑا ہو گیا تو ساتھی یہ سمجھ لیتے کہ نماز کو دہرانا ہے کیونکہ اس کے بعد ہمارے اپنے معمولات ہوتے تھے۔ پھر نماز پڑھنے کے لیے وقت نہیں ملتا تھا، ساتھی فوراً کھڑے ہو کر فرض ادا کر لیا کرتے تھے۔ جب ہماری پاکستان کے لیے واپسی ہو رہی تھی تو ہمیں پتہ چلا کہ یہاں سے ۳۰۰ کلومیٹر دور ایک علاقہ ہے وہاں مسلمانوں کا آپس میں نزاع ہے۔ تو وہاں سے کچھ حضرات تیار ہوئے ان میں صلح کروانے کے لیے، جماعت کے احباب نے مجھے بھی انکے ساتھ کر دیا اور پتہ چلا کہ وہاں ایک شاندار مدرسہ ہے۔ اسکے بانی مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ اور وہاں

Marfat.com

انہوں نے بڑے اچھے طریقے سے کام شروع کر رکھا ہے۔

طویل سفر کے بعد جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے اس مدرسے کو دیکھا۔ مسجد کے مختلف ستونوں کے ساتھ لیٹے ہوئے تین یا چار طالبعلم نظر آئے۔ اور انہوں نے قرآن کریم کو نعوذ باللہ ایسے نیچے رکھا ہوا تھا جیسے کوئی ناول یا ڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہا ہو۔

میرے محترم علماء کرام! اس سارے تذکرے سے کیا بات کہنا چاہتا ہوں؟ وہ یہ کہ اللہ کی نعمت ہیں یہ مدارس، میں آج ہی ایک کتاب میں پڑھ رہا تھا کہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ تدریس کے لیے میرٹھ تشریف لے گئے اور مسلسل دیوبند کے احباب سے رابطہ رہتا تھا۔ چونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ تھی پورے برصغیر میں علماء اور ہر طبقے والے سوچتے رہتے تھے کہ اب کیا کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے کہ مسلمانوں کا وجود ضروری ہے۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ اسلام پہلے ہے اور مسلمان بعد میں۔ بہر حال انکی جو بھی ترتیب تھی اس میں کچھ لوگوں نے ایسے علوم کے لیے ایک شخص کو کھڑا کیا جس کے طور طریقے کچھ اور تھے، مجھے اس موضوع پر کچھ عرض کرنا نہیں ہے، دوسرے بانی دارالعلوم دیوبند "مولانا محمد قاسم نانوتویؒ" وہ علماء کے اندر گہری سوچ رکھتے تھے اور یہاں دیوبند سے میرٹھ اور میرٹھ سے دیوبند مسلسل رابطہ تھا اللہ تعالیٰ نے ایک درویش صفت انسان حاجی عابد مرحوم کو توفیق عطا فرمائی، وہ اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں کو جمع کیا اور تین سو کے قریب چندہ ہوا، فوراً خوشی سے حضرت نانوتویؒ کو خط لکھا کہ حضرت مدرس بھیج دیں۔ میرٹھ سے ہی ایک مدرس بھیجے گئے، جن کا نام نامی اسم گرامی "مولانا محمودؒ" تھا۔ اور اللہ رب العزت نے جو پہلے شاگرد عطا فرمائے وہ بھی محمودؒ تھے۔ یہ ہیں دنیا کی اس عظیم

Marfat.com

یونیورسٹی کے پہلے مدرس اور یہ ہیں دنیا کی اس عظیم یونیورسٹی کے وہ پہلے طالبعلم جن کو شیخ الہند کہا گیا آج میں اور آپ دار العلوم الاسلامیہ میں اگر بیٹھے ہوئے ہیں۔قال اللہ ،قال الرسول ﷺ کی صدائیں یہاں بلند ہو رہی ہیں۔اس میں حاجی عابد مرحوم کا حصہ ہے۔اس میں بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا حصہ ہے۔

حضرات علماء کرام! آج چونکہ بات چل رہی ہے، مدارس کے تعلیم و تربیت کے نظام کی اور میرے مخدوم ومکرم حضرت قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی فرمارہے تھے کہ تزکیہ نفوس کی اس محفل میں شدت سے ضرورت محسوس کی گئی۔کہ اس طرف توجہ کی جائے ،اس حوالے سے آپ کو محدث العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا واقعہ سنانا چاہ رہا ہوں۔جو کہ مولانا قاسم نانوتویؒ کے ساتھی رہے ہیں۔دہلی میں طویل زمانہ طلب علم کے لیے اکٹھا گزارا ہے۔سفر وحضر اور زندگی کے اکثر نشیب وفراز میں ساتھی رہے ہیں۔جیسے آج مجھے بھی اپنے ساتھی کے ساتھ مولانا کے تذکرے کی بجائے بھائی کہتے ہوئے قلبی مسرت ہو رہی ہے۔بھائی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ میں نے مولانا کی بجائے بھائی عبدالقدوس کہا۔اس وجہ سے کہ ہمارا بھی ایک سفر ۱۹۸۲ء سے شروع ہوا اور آج تک مسلسل جاری ہے۔ہم نے ترمذی شریف، بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتب اکٹھے بیٹھ کر پڑھی ہیں ،اور سرگودھا میں مل کر کام کر رہے ہیں،ایک ہی ہماری شوریٰ ہے ،ہم باہمی مشاورت سے کام کر رہے ہیں بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہمارا نام تو ایسے ہی بول دیا جاتا ہے۔ہم نے تو نام سنا تھا کہ حضرت تھانویؒ کی صحبت سے حضرت تھانویؒ کے مدرسے سے، حضرت تھانویؒ کی خانقاہ سے ایک مرد قلندر یہاں ساہیوال سرگودھا میں آئے اور ان سے اہل علاقہ فیض یاب ہوئے،وہ پردہ فرما گئے،انکے لخت جگر حضرت

Marfat.com

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ نے کام سنبھالا۔ہم انکی خدمت میں حاضر ہوئے،حضرتؒ نے ہمارے سر پر ایسے ہی ہاتھ رکھا،جیسے بھائی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ کے سر پر ہاتھ رکھا،ہم بھی اس لائن میں آگئے وگرنہ ہم پتہ نہیں کہاں ہوتے؟اس لیے میں کہتا ہوں اصل توجہ،مہربانی اور شفقتیں تو ان حضرات کی ہیں،اور یہ ہم پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ان حضرات کی نسبت سے بڑے بڑے حضرات کی زیارت کی ہے۔وہ ہمارے مدرسے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں بھی تشریف لائے،دارالعلوم دیوبند کے حضرات تشریف لائے اور پاکستان کے حضرات تشریف لائے۔

اور میری دلی خواہش تھی کہ اللہ ہمیں وہ دن بھی دکھادے جب ہم تھانہ بھون کی حاضری دیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن بھی دکھادے،جب ہم دارالعلوم دیوبند کی رونقیں اور بہاریں دیکھیں۔اللہ ہمیں وہ دن بھی نصیب فرما،جب ہم مظاہرالعلوم سہارنپور کی پرنور رونقیں اور بہاریں دیکھیں اور میرے بھائی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ اپنے دادا جی مرحوم کے مدارس کا تذکرہ فرمایا کرتے۔جو شاہ آباد مارکھنڈا ضلع کرنال اور راجپورہ ریاست پٹیالہ میں واقع ہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ زندگی میں اپنی وہ تمام خواہشات پوری ہوتے دیکھ لیں،دیوبند،مظاہرالعلوم، نانوتہ،جھنجھیانہ،کاندھلہ،شاملی،جلال آباد اور تھانہ بھون کی حاضری اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی۔نانوتہ کے کنارے جائیں تو برلب سڑک ایک چھوٹے سے قبرستان میں عظیم لوگ سوئے ہوئے ہیں۔مزار قاسمی دیوبند جائیں ایک سے ایک بڑھ کر ہستیاں محوِ استراحت ہیں۔

حضرت کاشمیریؒ کے ہاں جائیں تو وہاں بھی بڑے عظیم لوگ سوئے ہوئے ہیں۔یہ کام کرتے چلے گئے،ہمارے حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ سرگودھا کے حصہ میں آئے۔ان حضرات کی محنت سے آج اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے رہے ہیں،ہم

Marfat.com

بھی جرأت کر کے آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے، وگرنہ ہم کہاں تھے؟ میرے خود والد محترم بتایا کرتے ہیں کہ ہماری حالت تو ایسی تھی کہ ہم دین سے بہت دور تھے۔آپ کے دادا مرحوم ریاست پٹیالہ کی جیل میں گئے ان کے ہاتھ بہشتی زیور لگ گیا، انکی کایا پلٹی اور پھر اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا کہ ہم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، ان حضرات کی صحبتوں میں جا بیٹھے تو پھر تمہارا نام بھی حضرت تھانویؒ کے نام پے رکھا۔ بھائیو! یہ میں نے درمیان میں تذکرہ کر دیا، چونکہ بڑے حضرات کا تذکرہ چل رہا ہے یہ جو کچھ ملا، ان حضرات کی توجہات سے ہے۔آج میرے لیے، آپ کے لیے یہی حضرات مشعلِ راہ ہیں۔ہم ان حضرات کو دیکھیں، ہم تو اپنے آپ کو بڑا سمجھ بیٹھے۔ارے! ہم کچھ نہیں ہیں۔ یہ تو ان حضرات کی مہربانی ہے جنہوں نے کام کیا ہے۔آج ان کے کام کی برکت سے مجھے اور آپ کو بھی یہ توفیق عطا فرما دی کہ اس کام میں لگ گئے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے ”خیرُکم من تعلَّمَ القرآنَ وعلّمه“۔

حضرات محترم علماء کرام! میری بات ادھوری رہ جائے گی، میں بات کرنے جا رہا تھا حضرت گنگوہیؒ کی۔حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت اقدس میں تھانہ بھون جا پہنچے۔مجھے چند سال پہلے یہ خبر پہنچی کہ حضرت تھانویؒ کے مزار اقدس کی توہین ہوئی ہے۔میں نے فوراً ویزہ لیا۔ویزہ لیکر تھانہ بھون پہنچا۔رات کا وقت تھا ہم بجائے خانقاہ کی طرف جانے کے اسٹیشن کی طرف سے حضرت اقدسؒ کے مزار پر جا پہنچے۔احاطہ مزار کے آس پاس جنگلے لگے ہوئے تھے۔پتہ چلا کہ جب سے نا معلوم ظالموں نے بے حرمتی کی کوشش کی اسکے بعد سے جنگلا لگا کر اس جگہ کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔اب ہم حیران و پریشان کھڑے تھے کہ اندر کیسے جائیں۔اتنے میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک صاحب لالٹین پکڑے ہوئے

Marfat.com

آئے۔انہوں جنگلے کا دروازہ کھولا۔رات کا وقت تھا ہمیں اندر لے گئے۔جب تک حضرت تھانویؒ کے مزار پر حاضری نہیں دی۔اس وقت تک سکون نہیں آیا۔ میں یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حضرت تھانویؒ کا کمال اور رعب آج بھی اسی طرح محسوس کیا جا رہا ہے جس طرح ان کی حیات مبارکہ میں بڑے بڑے علماء کرام،مشائخ عظام محسوس کیا کرتے تھے۔حضرت تھانویؒ کو پردہ فرمائے ہوئے کتنے سال گذر گئے مگر آج بھی وہاں کھڑے ہوں تو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔

محترم علماء کرام!بات کر رہا تھا حضرت گنگوہیؒ کی۔حضرت گنگوہیؒ تھانہ بھون جا پہنچے۔حافظ ضامن شہیدؒ نے پوچھا کہ کیسے آئے؟فرمایا حاجی صاحب سے بیعت ہونے کا ارادہ ہے اور اپنا حال بھی بتا دیا۔حافظ ضامن شہیدؒ نے فرمایا کہ میں بات کرتا ہوں۔خیر حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت فرمالیا اور کچھ معمولات ارشاد فرمائے۔

حضرت گنگوہیؒ نے درخواست کی کہ یہ معمولات تو مجھ سے پورے نہ ہوسکیں گے۔شیخؒ نے کوئی ناگواری محسوس نہ کی۔فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں لیکن رات کو جب شیخ چارپائی پر پہنچے ادھر حضرت گنگوہیؒ کی چارپائی دور تھی تو فرمایا ان کی چارپائی بھی میرے قریب لے آؤ۔پہلا ہی دن ہے،پہلی ہی رات ہے کتنی نوازش ہو رہی ہے،کتنی دعائیں ہو رہی ہیں،کتنی بے تکلفی ہو رہی ہے۔ رات کو حضرت حاجی صاحبؒ اپنے معمولات کے لیے اٹھے۔حضرت گنگوہیؒ کو نہ اٹھایا لیکن ان سے بھی نہ رہا گیا۔شیخ تو مسجد میں تشریف لے ہی گئے تھے انہوں نے بھی جا کر اللہ کے نام کی ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ایک دن گزرا، دوسرا دن گزرا حضرت حاجی صاحبؒ کو پتہ چلا کہ یہ تو گنگوہیؒ بھی اٹھ پڑتے ہیں،انکا نام لے کر خوش ہوئے اور ان کی ترتیب سے خوش ہوئے،یہ گئے تھے ایک دن کے لیے۔کپڑوں کا ایک جوڑا ساتھ تھا کہ کل ہی واپس آجاؤں گا لیکن وہاں

Marfat.com

زنجیریں لگ گئیں۔ وہاں اپنے آپ کو ایسا قید کروادیا کہ اپنی مرضی ختم ہوگئی۔

آج تو ہم دندناتے پھر رہیں ہیں۔ ہم سب اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ جو تھے خود کو کسی کے سپرد کر کے چلتے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ وہاں چھ دن گزر گئے کپڑے میلے کچیلے تھے۔ میں نے اجازت مانگی تو حضرت نے فرمایا کہ کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ حضرت گنگوہیؒ پھر ٹھہر گئے۔ نو، دس دن کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا۔ کیا پیارا ارشاد فرمایا کہ رشید احمد جو کچھ ہمارے پاس تھا ہم نے سب کچھ آپ کو دے دیا۔ جب اپنے آپ کو سپرد کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے نور کی بارش کردی "اِنّ النّورَ اذا دخل القلبَ اِنفسح وانشرحَ" یہ نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے۔ اس میں شرح صدر کی دولت پیدا ہوجاتی ہے۔ کرتے کرتے چالیس دن گزر گئے اب تو حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری مرضی ختم کردی ہے اب جیسے شیخ فرمائیں گے ویسے ہی کروں گا۔ بہرحال چالیس دن کے بعد حضرت نے فرمایا کہ کل جانے کی اجازت ہے۔ میں اپنی بات اتنی طویل نہیں کرنا چاہ رہا تھا جتنی طویل ہوگئی ہے۔

محترم علماء کرام! میں اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ میں آپ کے سامنے عرض معروض کرسکوں۔ حضرت اقدس مولانا محمد مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کا حکم تھا اور میرے محترم حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی ان حضرات کی شفقت تھی میں نے یہ چند معروضات پیش کیں کچھ باتیں تو ذہن میں اور بھی آرہی ہیں کیونکہ اکابر و اسلاف کا تذکرہ یہ میرا پسندیدہ عنوان ہے۔ جب اس پر آجاتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ تذکرہ کیئے ہی چلا جاؤں لیکن میں اپنے بعد کے مہمانوں کو بھی دیکھ رہا ہوں اب آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ جلَّ جلالہُ ہماری حاضری قبول فرمائے، آمین!

Marfat.com

اکابر اساتذہ

کا

طرزِ تدریس

حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی صاحب

نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

تاریخ: 14-02-2010

بمقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

اکابر اساتذہ کا طرز تدریس

حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی صاحب مدّ ظلہ العالی

نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد:

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم۔

حضرات علماء کرام! کل حاضری کی بڑی خواہش تھی، لیکن کیفیت یہ تھی کہ میں کھڑے ہو کر بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا، آج اللہ نے ہمت دی، میں نے کہا کہ یہ میرا پیر خانہ ہے، ساری برکتیں ہمیں اس نسبت سے ملی ہیں، اب بھی اٹھا ہوں تو مجھے شدید چکر آئے، خدا کا شکر ہے کہ حاضری کی سعادت نصیب ہوگئی، آج ڈاکٹر سعد صدیقی اور قاری احمد میاں تھانوی نے جامعہ اشرفیہ میں پڑھے ہوئے کچھ اسباق کا ذکر کیا تو میرے بھی دماغ کے اندر وہ اسباق کی باتیں یاد آئیں، جن کا اجمالاً ذکر کر رہا ہوں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے جامعہ کی برکت سے ہمیں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد رسول خانؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اور دیگر بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے بیٹھنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ قاری احمد میاں تھانوی زمانہ طالب علمی کا ذکر کر رہے تھے، حضرت کاندھلویؒ کی بخاری کا میں کیا ذکر کروں؟ اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ اتنا عام نہیں ہوا تھا، حضرت کی بخاری شریف تو ریکارڈ نہیں ہوسکی۔ کاش! کہ وہ اِس وقت ریکارڈ تقریریں سنا سکتے! اگر میں قسم کھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا کہ حضرت کے سبق میں کبھی طالب علم پر ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا تھا، ہر طالب علم یہ چاہتا تھا کہ

Marfat.com

یہ سبق جاری رہے، جو کیفیت آغاز سبق میں ہوتی تھی وہی کیفیت انتہاء سبق میں ہوتی، کہیں تعب نہیں ہوتا تھا، اللہ اکبر! اتنی خوبصورت گفتگو اور پھر حضرت جو حدیث پڑھاتے تھے ساری بحث کا لبِّ لباب اسی حدیث کے اندر بیان ہوتا، اس حدیث سے ذرا باہر نہیں جاتے تھے۔

مولانا عبیداللہ صاحب مدّ ظلّہ کے بارے میں قاری احمد میاں تھانوی اور ڈاکٹر سعد صدیقی نے ذکر کیا، واقعتاً آج بھی میں ان کی طحاوی شریف کا سبق سن کر آیا ہوں، ڈاکٹر صاحب! آج ہم نے یہ نظم کر رکھا ہے کہ تمام اسباق انٹرنیٹ پر جاری ہوتے ہیں اور وہ سسٹم گھر میں بھی لگا ہوا ہے، میں اکثر سنتا ہوں، اور واقعتاً آج بھی ان کا یہی مزاج ہے کہ کتاب کو جس انداز میں میرے بھائی جان حل فرماتے ہیں، ہر طالب علم کے ذہن میں عبارت نقش ہوتی ہے اور سبق صحیح سمجھ میں آرہا ہوتا ہے، کہ اس کتاب کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر اشعار بھی کہیں کہیں بیان کرتے ہیں۔ بس اب میں ایک بات! جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں حضرات اساتذہ کرام! یہ جو مولانا عبیداللہ صاحب کو اللہ نے شرف قبولیت دی ہے، سارے اسباق کی نسبت حضرت حکیم الامتؒ کی طرف ہے، ہر کتاب کا پہلا سبق بھائی جان کو حضرت حکیم الامتؒ نے پڑھایا ہے۔ آج اس عمر کے اندر بھی آپ سبق سنیں تو وہی باتیں جو آج سے پینتالیس، پچاس سال قبل کی ہیں، سبق اسی روانی سے جاری ہے، یہ اسی نسبت کا فیض ہے، ہمارے اساتذہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے جو درد اور محبت دی تھی وہ آج کے اساتذہ کے اندر معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں وہ باتیں نظر نہیں آرہی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی دامت برکاتہم نے فرمایا: کہ امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بات سناتا ہوں، امرتسر میں اباجیؒ کے پاس پانچ،

Marfat.com

چھ سال پڑھتے رہے، والد صاحب کا معمول یہ ہوتا تھا کہ جو طالب علم عبارت پڑھتا، اس سے پوچھتے تھے: مطالعے میں جو بات نکالی ہے وہ سناؤ! طالب علم کی ذمہ داری ہوتی تھی، ہر طالب علم بڑے دھیان سے عبارت بھی، حاشیہ بھی اور ترکیب بھی دیکھ کر آتا تھا، آدھا سبق ان کو مطالعے میں حل ہو جاتا تھا۔ شاہ صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں رات تقریر میں چلا گیا، طالب علمی کے زمانے میں شوق تھا، تو رات دیر سے آیا مجھے پتا نہیں تھا کہ اگلے دن عبارت پڑھنے کی میری باری ہے، سبق میں آکر بیٹھا، رات بھر تقریر کی، مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ عبارت کہاں سے ہے؟ شاہ جی فرماتے ہیں کہ میرا ساتھی بے تکلف تھا کہنے لگا کہ: ''ایتھے مر! ایتھوں پڑھ'' یعنی یہاں سے پڑھو۔ کہنے لگے کہ میں نے عبارت پڑھی، والد صاحبؒ نے حسبِ معمول پوچھا کہ: کیا سمجھے ہو؟ کہنے لگے کہ وہ کتاب بھی حـــمـــد اللہ تھی، وجـــود رابـــطـــکلی مسئلہ تھا، سبق بھی مشکل تھا، میں نے بڑی کوشش سے حاشیہ میں ادھر ادھر نظر دوڑائی، تو حضرت الاستاذ نے پھر پوچھا کیا سمجھے ہو؟ میں نے کہا: حضرت مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا، شاہ صاحبؒ فرمانے لگے کہ اس وقت مولانا عبدالرحمٰن، مولانا علی اصغر عباسی صاحب، اور ایک دو اور ساتھی بیٹھے تھے، شاہ جی فرمانے لگے کہ مفتی صاحب نے اپنی عینک اپنے ماتھے پر لگائی ہوئی تھی، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے کہ: ''نہیں سمجھے؟'' شاہ صاحب کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! ایک نگاہ سے ساری کتاب حل ہوگئی۔

میں اپنا ذاتی واقعہ سناتا ہوں، میں جب مختصر المعانی پڑھتا تھا، یہ فن بلاغت کی پہلی کتاب ہے، اس وقت یہ درجہ بندی بھی نہیں تھی، مجھے یہ کتاب بالکل سمجھ میں نہ آتی، ایک دن اباجیؒ فرمانے لگے: آپ کو کون سی کتاب سمجھ میں نہیں آتی؟ میں نے کہا کہ مختصر المعانی! فرمانے لگے کہ کتاب لاؤ، اس کا متن پڑھو! مختصر

Marfat.com

المعانی کے متن پر لکیریں لگی ہوئی ہیں جیسا کہ آپ سب حضرات کو معلوم ہے، میں نے متن پڑھا، آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے، متن کی تشریح کی، پھر شرح پڑھائی، مجھے آج تک وہ عبارت، متن کی شرح جو نقش ہوئی ہے اس طرح یاد ہے جیسے قل ھو اللہ، یہ متن تھا: ولا شك ان القصد المخبر بخبره افادة المخاطب اما الحكم او كونه عالما به والاوّل فائدة الخبر والثانی لازم فائدة الخبر.
آپ یقین کریں کہ ابا جیؒ کے ایک سبق پڑھانے سے سب سے آسان کتاب مجھے مختصر المعانی لگنی شروع ہوگئی، اور جب مجھے سبق پڑھایا تو فرمانے لگے کہ: اگلے دن کلاس میں جا کر لافے نہ مارنا، یعنی شیخی نہ دکھانا!

یہ بات کیا ہے؟ حضرات اساتذہ کرام! میں قسم کھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا اور نہ ہی مبالغہ ہوگا، ہم اگر اپنے اندر ان طالب علموں کے لئے درد پیدا کرلیں کہ یہ ہمارے بچے ہیں، ہم نے ایک ایک لفظ کو اسی طرح پڑھانا اور سمجھانا ہے کہ یہ ہمارے حقیقی بچے ہیں، آپ یقین کریں کہ جب استاذ کے دل و دماغ میں یہ تصور اور یقین آئے گا کہ یہ ساری جماعت میرے بچوں کی ہے تو پھر اللہ کی رحمت اور برکت اس کی گفتگو اور زبان پر آئے گی، اس کا کیا نفع ہوگا؟ شاید ہم تصور نہ کرسکیں۔

میں ایک خط پڑھ رہا تھا، حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ ماسٹر حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ملتان کے تھے، انہوں نے لکھا کہ حضرت! میں سکول میں پڑھاتا ہوں، میرا بچہ بھی بیٹھا ہوتا ہے اور باقی کلاس بھی بیٹھی ہوتی ہے اور بعض اوقات میرا ذہن سمجھانے میں اپنے بچے کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے بچوں کی طرف ویسا ذہن نہیں ہوتا، کہیں یہ خیانت تو نہیں ہو رہی؟ یہ لکھا اور فرمایا کہ حضرت! میری اصلاح فرما دیں۔ اندازہ لگائیے کہ طلباء سے شفقت کیسی

Marfat.com

تھی۔

حضرات اساتذہ کرام! پہلی بات تو میں یہ سمجھتا ہوں، ڈاکٹر سعد صدیقی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، بڑی پیاری باتیں کی ہیں، یہ ہماری تنظیم اور نظم اور کتاب کو تقسیم کر کے پڑھانا، یہ بہت ضروری ہے۔ میں جس بات کی طرف اب متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اس کی برکات وثمرات اسباق پر آپ جلد محسوس فرمائیں گے۔ حضرات! بس میرے دل میں ایک بات علم میں نفع حاصل کرنے کے لئے کئی مہینوں سے جنون کی حد تک سوار ہے کہ ہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اساتذہ کا بڑا حق پڑھتے ہیں، ایصالِ ثواب کے بارے میں بڑی روایتیں پڑھتے ہیں کہ کتنا نفع ہے، ایک درخواست یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے مشائخ اور اساتذہ اور ان سے لے کر جناب رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب کریں۔ برونائی سے مفتی صاحبان کا ایک وفد آیا، اساتذہ سے بات کرنے لگے، تو تقریر سے پہلے انہوں نے سورۃ الفاتحہ پڑھی اور سورۃ الاخلاص پڑھی، اپنے اساتذہ کی پوری فہرست کو ایصالِ ثواب کیا اور کہنے لگے: برونائی کے ہر استاذ کا یہ معمول ہے کہ ان محسنین اور منعمین کو ایصالِ ثواب کرتا ہے پھر سبق شروع کرتا ہے۔ ایک تو میری درخواست یہ ہے کہ وہ نسبتوں کا فائدہ جب آئے گا کہ جو ہمارے اساتذہ ہیں، جن کی برکت سے ہم یہاں بیٹھے ہیں اور یہاں پہنچے ہیں ان کے ساتھ ایصالِ ثواب کا رشتہ مضبوط ہونا چاہئے۔

میں نے کم وبیش پانچ سو سال کے اساتذہ ومشائخ کی وصایا پڑھیں، حضرت تھانویؒ کی بھی وصایا پڑھیں اور ہر ایک نے اپنے متعلقین اور احباب سے یہی بات کہی ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں اور ایصالِ ثواب میں نہ بھولیں۔ دوسری بات حضرات اساتذہ کرام! اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق عطاء فرمائی ہے جو

Marfat.com

سبق پڑھیں اور پڑھائیں اور جب موقعہ ملے اور قلب متوجہ ہو تو ایک ایک بچے کے لئے دل سے دعاء مانگ لیا کریں، یا اللہ کسی طالب علم کو محروم نہ فرمانا! یا اللہ مردود نہ فرمانا! اور عالم باعمل بنانا!۔ یہ دعاء جب استاذ اپنے شاگردوں کے لئے کرے گا اور توجہ بھی پدری شفقت کی طرح رکھے گا تو آپ دیکھیں گے کہ کتاب کے اندر بھی نور آئے گا اور برکت بھی آئے گی اور نفع بھی ہوگا اور یہی طلباء ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنیں گے۔ انشاء اللہ!

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی توفیق عطاء فرمائیں۔

بس اسی پر میں اجازت چاہتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وقت کی بہتر تنظیم

اور

اسکا استعمال

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب

پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور

تاریخ: 14-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ، امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا ط کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ وَھُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾۔ صدق اللہ العظیم

استاذ محترم جناب مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ العالی ، جناب ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب جناب قاری احمد میاں تھانوی صاحب اور معزز اساتذہ کرام!

سب سے پہلے میں تو آپ کے سامنے معذرت پیش کروں کہ میں آج کی اس گفتگو کے حوالے سے کچھ زیادہ تیاری نہیں کرسکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ مصروفیات زیادہ تھیں اور دوسرا یہ کہ پچھلے کچھ دنوں سے میری والدہ محترمہ کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہے اس کی وجہ سے خاصی مصروفیات اور پریشانی زیادہ ہوگئی تھی ، میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ آپ ان کی صحت اور زندگی کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور عافیت عطا فرمائیں۔ امین

وقت کی بہترین تنظیم اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع ہے اور اس موضوع پر اصل گفتگو سے پہلے ذرا میں تمہیدی طور پر یہ بات عرض کرتا چلوں کہ وقت کی بہتر تنظیم کی اہمیت کیا ہے؟ تھوڑا سا اس اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کسی بھی چیز کو اختیار کرنے سے پہلے جب تک ہمیں اس چیز کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو وہ چیز اختیار کرنا کچھ مشکل بھی لگتا ہے اور یوں بھی لگتا ہے کہ شاید ہم اس کو اختیار کرنے میں وقت کو ضائع کرنے والے ہوں گے، لیکن وقت کی بہتر تنظیم نہ صرف

Marfat.com

یہ کہ ہمارے لیے ایک بہت اہمیت کی حامل ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ہمیں حکم بھی دیا، اس کے احکام اس کی تعلیمات اور اس کے نبیؐ کی تعلیمات اور احکام بھی ہمیں اسی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

وقت کی بہترین تنظیم کے سلسلہ میں آپ کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ سب حضرات نہ صرف خود علماء ہیں، بلکہ بہت سے علماء کے اساتذہ بھی ہیں، درس و تدریس کے بہت عمدہ تجربات کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حق جل مجدہ نے قادر کل شئی ہونے کے باوجود اپنی سنت اور اپنے عمل میں وقت کی تنظیم کو جاری فرمایا۔

قرآن کریم کی جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں ان آیات کے اندر ایک بات اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن کی مدت کے اندر پیدا فرمایا۔ اس پوری کائنات کو اور کائنات میں پائے جانے والی تمام مخلوقات کی پیدائش اور تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے چھ دن کی مدت کیوں صرف کی؟ یہ سوال اٹھا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کے متعلق تو خود اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ "اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون" کہ وہ تو اس طرح قادر ہے کہ وہ کسی چیز کو کُن کہتا ہے تو وہ فیکون ہو جاتی ہے تو جب اس کو یہ قدرت اور طاقت حاصل ہے تو کائنات کی تخلیق کے اندر چھ دن کی طویل مدت کیوں صرف کی؟ کسی مولوی صاحب سے یہ سوال کیا کسی صاحب نے کہ حضرت جب اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کن کہتا تو کائنات معرض وجود میں آجاتی تو اللہ تعالیٰ نے چھ دن کی مدت کیوں صرف کی؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ وہ کن ہی اتنی لمبی ہوگئی تھی۔

تو بات یہ ہے کہ وہ کن ہی اتنی لمبی نہیں ہوگئی تھی اس پر علماء محدثین نے علماء مفسرین نے صوفیا اور متکلمین نے بڑے بسط و تفصیل سے جواب دیا اور کلام کیا

Marfat.com

اور ان مختلف جوابات میں جو سب سے اچھی بات بعض مفسرین نے لکھی وہ یہ کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ایک اللہ کی قدرت ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، اللہ کی قدرت تو بلاشک وشبہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کن کہتا تو کائنات پوری کی پوری معرض وجود میں آجاتی لیکن یہ اس کی حکمت کے تقاضے کے خلاف تھی، حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ کائنات کی تخلیق ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک حسن ترتیب کے ساتھ سامنے آئے اور وہ حسن ترتیب چھ دن میں تخلیق سے ہی معرض وجود میں آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بجائے اپنی حکمت سے کام لیا اور حکمت سے کام لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق میں چھ دن کی طویل مدت صرف کی۔

کائنات اور اشیائے کائنات کی تخلیق میں چھ دن کی مدت صرف کرنے میں جو حکمت کارفرما اور جو راز پنہا ہے، اُس کی وضاحت ایک حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جسے امام مسلمؒ نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خلق اللّٰه التربة يوم السبت وخلق فيها الجبال يوم الأحد وخلق الشجر يوم الاثنين وخلق المكروه يوم الثلثاء وخلق النور يوم الاربعاء و بث فيها الدواب يوم الخميس وخلق آدم عليه السلام بعد العصر من يوم الجمعة فى آخرالخلق فى آخر ساعة من ساعات الجمعة فيما بين العصر الى الليل (اللہ تعالیٰ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے روز پیدا فرمایا، اس پر پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے، درخت پیر کو، اشیاء استعمال (لوہا وغیرہ) منگل، روشنی بدھ کو تخلیق فرمائی اور جمعرات کو اس میں جانور پھیلا دیئے اور جمعہ کے روز عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی،

Marfat.com

مخلوقات میں سب سے آخر میں جمعہ کے روز کی آخری گھڑیوں میں، عصر اور رات کے درمیان آدم کی تخلیق فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان گرامی سے دو باتیں سمجھ میں آرہی ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تمام مخلوقات کو انسان سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں انسان کی تخلیق ہوئی۔

(۲) اس ترتیب میں پھر ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس چھ دن کی مدت میں انسان کی تخلیق شامل نہیں جس کی وضاحت نبیؐ نے فرمائی کہ انسان اس مدت میں شامل نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعرات تک ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان کی ساعتوں میں حضرت انسان کو پیدا فرمایا اب یوں سمجھ لیجیے کہ یہ جو آخری فقرہ نبیؐ کا ہے اس نے اس ترتیب کی بھی اور اس حکمت کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ ترتیب کیوں رکھی گئی اور کس حکمت کے تحت ملحوظ رکھی گئی وہ یہ ہے کہ اصل میں کائنات کی تخلیق انسان کے لیے ہونا تھی اور کائنات کی اس تخلیق سے انسان کو بہت کچھ سکھانا اور بہت کچھ بتانا تھا اور وہ بہت کچھ سکھانا اور بتلانا یہی تھا کہ کائنات کی تخلیق ایک ترتیب کے ساتھ ہوئی لہٰذا انسان کو بھی اپنی زندگی ایک ترتیب کے ساتھ مرتب کرنا ہوگا، جب ہم دیکھتے ہیں ہمارے علماء، ہمارے اسلاف نے جس طرح سے اس ترتیب کو اپنی زندگی میں ملحوظ رکھا اور پھر اس ترتیب کے نتیجے میں جو برکتیں اور رحمتیں ان کی زندگیوں کے اندر نظر آئیں حاجی شریف صاحب مرحوم ملتان میں رہتے تھے اور حضرت تھانویؒ کے بہت خاص خلیفہ اور مرید تھے وہ ایک روز فرمارہے تھے، لاہور تشریف لائے ہوئے تھے مجلس صیانۃ المسلمین کا جلسہ تھا کہنے لگے کہ برس ہا برس میں ملتان سے حضرت کو خط لکھا کرتا تھا یہ معمول تھا اور برسہا برس یہ بات رہی کہ

Marfat.com

میں نے جس دن خط ڈاک کے حوالہ کیا تو مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا جواب حضرت کی طرف سے فلاں دن مجھے موصول ہوگا۔

اور کہتے تھے کہ ان برسوں کے اندر سینکڑوں خط میں نے لکھے سب کے جواب اُسی اندازہ کے مطابق آئے سوائے ایک دفعہ کے اور وہ بھی اس لیے کہ میں ایک سکول میں پڑھاتا تھا میرا اس سکول سے ٹرانسفر ہوگیا وہ خط پہلے اس سکول میں پہنچا وہاں سے ری ایڈریس ہوکر میرے پاس آیا تو ایک دن کی تاخیر ہوگئی ورنہ اس معمول میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی کہ میں نے آج خط ڈالا ہے مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس خط کا جواب مجھے حضرت تھانویؒ کی طرف سے کس دن موصول ہوگا؟

سینکڑوں خطوط گئے اور آئے اور اسی نظم کے مطابق آئے، گئے، یہ ترتیب تھی اوقات کی جو ہمارے اسلاف نے ہمیں سکھائی اور بتائی اور آج ہم جس ہنگامی دور سے گزر رہے ہیں اس ہنگامی دور میں اور اس ہنگامی نوعیتوں کے ادوار اور واقعات میں ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کے اندر جتنی بے برکتی ہے ہمارے اوقات میں بھی، ہماری مساعی اور کوششوں اور ہمارے اعمال میں بھی آرہی ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ اوقات کی حسن ترتیب کے ساتھ تقسیم کے فقدان کی وجہ سے ہے۔

جب ہم تدریس کے حوالے سے اوقات کی ترتیب کی بات کرتے ہیں تو اوقات کی اس ترتیب کو ہم دو طرح سے تقسیم کرتے ہیں۔

ایک ترتیب ہوتی ہے پورے سال کی کہ آپ پورے سال کو تقسیم کرتے ہیں نصاب کے ساتھ کہ یہ نصاب ہے اور اس نصاب کی تدریس ہونی ہے، اور اس تدریس کے لیے آپ کو جو کل وقت دیا جاتا ہے وہ شوال المکرم کی فلاں تاریخ سے شروع ہوکر رجب کی فلاں تاریخ تک چلے گا، اور دوران میں اتنے امتحان آئیں

Marfat.com

گے اور عید الاضحیٰ کی اتنی تعطیلات آئیں گی فلاں اتنی تعطیلات آئیں گی وہ سارا ایک نظم آپ کے سامنے ہوتا ہے ایک ترتیب یہ ہوتی ہے۔

دوسری ترتیب روزانہ کی تدریس کی ترتیب ہے جیسے کہ روزانہ آپ کو مدرسے کی طرف سے ایک نظام الاوقات دے دیا جاتا ہے ۳۰، ۴۰ یا ۴۵ منٹ کا ایک گھنٹہ جسے ہم آج کل کی زبان میں پیریڈ کہتے ہیں۔

جہاں تک پہلی ترتیب کا تعلق ہے، اس ضمن میں اگرچہ مدرسہ کی انتظامیہ کی جانب سے کچھ پابندیاں اور کچھ رہنمائی ہوتی ہے، لیکن ہمیں خود بھی شعوری طور پر اس بات کو محسوس کرنا چاہیئے کہ ہمیں پورے سال میں نصاب کو کس طرح پڑھانا کہ جس کے ذریعہ ہم اپنی تدریسی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکیں۔ اس ضمن میں ہماری منصوبہ بندی میں ہر وقت یہ گنجائش رہنی چاہیئے۔ کہ اگر ہنگامی طور پر کوئی تعطیلات ہوگئیں تو اُس نقصان کو کس طرح پورا کیا جائیگا۔ لیکن اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کہ صرف نصاب کو پڑھالینا اور اُسے مدت میں مکمل کردینے کا نام تدریس نہیں، اسے اس طرح مرتب کرنا ہوگا کہ طلبہ بھی ساتھ ساتھ اسباق کو سمجھتے جائیں اور کسی مشکل میں گرفتار نہ ہوں۔

دوسری ترتیب روزانہ کے سبق کی ہے، روز آپ کے پاس ایک فترہ ہے اس فترہ کے اندر آپ کو ایک سبق پڑھانا ہوتا ہے اور اس سبق کو اس طریقے اور اس انداز سے پڑھانا ہے کہ جو وقت ہے وہ وقت بھی ملحوظ رہے اس میں آگے پیچھے ایک دو منٹ کی تاخیر بعض اوقات مشکل ہو جاتی ہے اس لیے کہ یہ بات بڑی اہم ہوتی ہے کہ ہم وقت پر سبق شروع کریں اور وقت پر ختم کریں میں اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بات عرض کروں، میں یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں وہاں یونیورسٹی میں میرے ساتھ یہ رہا کہ شروع میں میرا دوسرا پیریڈ ہوتا تھا پہلا پیریڈ 8:30 سے

Marfat.com

9:30 تک ہوتا تھا اور دوسرا 9:30 سے 10:30 تک ہوتا تھا اب پہلا پیریڈ جو استاذ پڑھاتے تھے وہ ذرا دیر سے تشریف لاتے تھے جب دیر سے تشریف لاتے تھے تو دیر تک پڑھاتے تھے تو اب معلوم ہوا کہ میں اپنا رجسٹر اٹھائے ہوئے بغل میں دبائے ہوئے اور اپنا لیکچر دماغ میں روکے ہوئے باہر برآمدے میں ٹہل رہا ہوں اور وہ صاحب کسی طرح نکل نہیں رہے ہیں، آخر کار ایک دن ایسا ہوا کہ شعبہ کے سربراہ نے یہ بات کہی کہ صبح کی جو پہلی کلاس ہے کم از کم وہ وقت پر شروع ہونی چاہیے باقی کلاسیں دو چار منٹ آگے پیچھے ہو جائیں تو کوئی بات نہیں، پہلی جو کلاس ہے جب بچے آتے ہیں تو وہ کلاس بروقت شروع ہونی چاہیے کوئی صاحب ایسے ہوں جو صبح ساڑھے آٹھ بجے بروقت کلاس شروع کر دیا کریں کیونکہ سال اول میں ان کی کلاس ہوتی تھی سال دوئم کی کلاس کا یہ معاملہ تھا میں نے فوراً ہاتھ کھڑا کیا کہ میں آؤں گا اور میرے پیش نظر یہی مسئلہ تھا کہ یہ جو معاملہ ہے باہر ٹہل کر دس منٹ ضائع کرنے پڑتے ہیں میں اس سے بچ جاؤں گا کیونکہ میرے لیے یہ بڑا مشکل ہوتا تھا وہ نکلتے ہی باہر مجھے کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور دیکھتے ہی بڑے شرمندہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ سعد صاحب آپ اگلے پیریڈ میں سے وقت لے لیجیے گا لیکن میرے لیے یہ بات بڑی مشکل ہوتی تھی کہ میں اگلے پیریڈ سے وقت لوں جب ساڑھے دس ہو گئے تو میرا وقت اب ختم ہو گیا میں آگے کلاس نہیں لے سکتا، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعض دفعہ مجھے پچاس منٹ کا پیریڈ ملا تو میں نے کہا کہ جی میں ساڑھے آٹھ بجے کلاس لوں گا چیئر مین صاحب کہنے لگے کہ آپ کو باہر سے آنا ہوتا ہے ٹریفک کا مسئلہ ہوتا ہے آپ پہنچ پائیں گے نہیں، میں نے کہا جی میں ان شاء اللہ پوری کوشش کروں گا کہ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے کلاس شروع ہو جایا کرے اور الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ سب کی دعاؤں کیوجہ سے میں نے یہ نبھایا اور وہ اس میں

Marfat.com

بڑے خوش ہوئے ہاں جی بس ٹھیک ہے وہ پہلی کلاس کے وقت سے شروع ہونے سے مطمئن ہوجاتے باقی اتنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ میں پورا اپنا پیریڈ مکمل کرتا تو ظاہر ہے ایک مدرس کے لیے یہ کام بڑا مشکل ہے کہ وہ اگر دیر سے شروع کرے گا تو اسے یہ ضرورت ہوگی کہ وہ اگلے پیریڈ میں سے وقت لے۔ اور اگلے پیریڈ کا استاذ باہر کھڑا ہے تو یہ استاذ کی بے ادبی اور توہین ہے کہ وہ باہر کھڑا ہوا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ درسگاہ میں سے پہلا استاذ نکلے اور میں درس گاہ میں پہنچوں، اس لیے وقت کی اس ترتیب اور اس تنظیم کو بھی بہت حساس طریقے سے اور بہت ہی شعوری انداز کے اندر ہمیں ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ لیکن اس تنظیم اور ترتیب کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا ہوتا ہے کہ ہم بات کو اس انداز سے شروع کریں کہ وہ اتنے وقت کے اندر کسی مرحلے پر پہنچی ہوئی ہو یوں نہ ہو کہ بات بالکل ادھوری چھوڑنی پڑے اور طالب علم اپنے ذہن میں اگلے دن تک ایک خلفشار کا شکار رہے کہ پتا نہیں کیا بات شروع ہوئی تھی وہ کہاں مکمل ہوگی یا اگلے دن وہ طالب علم نہ آئے اور اس کے ذہن میں وہ خلفشار باقی رہے۔

تو یہ چیز بھی ضروری ہے کہ ہمیں اس وقت کو اس طریقے سے مرتب کرنا ہے کہ ہمارا جب وقت مکمل ہو تو ہم کسی بات کی منزل تک پہنچے ہوئے ہوں اور کوئی ایک بات جو ہے وہ مکمل ہو چکی ہو، اگلے دن کے لیے اگلی بات شروع ہونی ہو اور طالب علم اس طرح کے ذہنی خلفشار کا شکار نہ ہو، وہ مطمئن ہو کر درسگاہ سے باہر نکلنے والا ہو، اور وہ اگلے دن اسی طرح اطمینان کی کیفیت کے ساتھ درسگاہ میں آنے والا ہو۔

وقت کی بہترین تنظیم کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری امر ہے کہ ہمیں جو سبق کے لئے فترہ ملا ہے۔ جو ایک گھنٹہ ہے یا چالیس پینتالیس منٹ ہمیں ملے ہیں اس کو بھی تقسیم کرنا چاہیے کہ جیسے ابھی آپ نفسیات تعلیم کے بارے میں گفتگو سن رہے

Marfat.com

تھے کہ میں نے آخر میں جو گفتگو سنی بڑی قیمتی باتیں تھیں کہ اگر ہم فترہ کو بھی اجزاء میں تقسیم کر دیں تو ہمارے لئے اس وقت کو نبھانا بھی آسان ہو جائے گا، اور ہمارے لیے اس بات کو بیان کرنا بھی آسان ہو جائے گا اور بات بھی مکمل ہو جائے گی اور وہ کس طریقے سے کہ دیکھیں بات یہ ہے کہ دینی مدارس کا نصاب و نظامِ تعلیم جدید طریقہ تعلیم سے جو سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے ان سے تھوڑا سا مختلف ہے، سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائے جانے والا جو نصاب ہوتا ہے وہ جزوی طور پر ٹیکسٹ بیس ہوتا ہے ٹیکسٹ بیس کا مطلب کیا ہے؟ کہ جس میں باقاعدہ ایک کتاب منظور شدہ ہو نصاب کی ہو اور وہ کتاب سبقاً سبقاً پڑھائی جائے اس طرح بہت کم چیزیں ہوتی ہیں سکول لیول پر، کالج لیول پر تو پھر بھی ہوتی ہیں مثلاً انگلش کی ایک کتاب ہے کہ یہ انگلش کی کتاب ہے یا اردو کی ایک کتاب ہے وہ ایک سبق متعین ہے ایک کتاب متعین اور اس متعین کتاب کو باقاعدہ طور پر سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے، یونیورسٹی لیول پر آ کر یہ کام اور کم ہو جاتا ہے اور زیادہ تر آپ کو مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور ان مضامین کو موضوعات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ مثال کے طور پر ہمارے ہاں ایک مضمون پڑھایا جاتا ہے اسلام اور جدید معاشی نظام و تحریکات'' اب اسلامی نظام معیشت کیا ہے؟ اور جدید معاشی نظام اس وقت کیا کیا رائج ہیں؟ ان کا آپس میں تقابل کیا ہے؟ اور اسلامی نظام کی فوقیت اور برتری کیا ہے یہ موضوعات اس کی تفصیل اس میں دے دیے، استاذ آتا ہے کسی ایک موضوع پر لیکچر دیتا ہے اور چلا جاتا ہے، لوگ نوٹس تیار کر لیتے ہیں یا تیار شدہ نوٹس ہمارے ہاں فوٹو کاپی کی دکان ہے جس کا نام میں نے علامہ فوٹوسٹیٹ رکھا ہوا ہے وہاں سے تیار شدہ نوٹس لے لیتے ہیں ان کو رٹا مارا اور امتحان دے دیا، یہ یونیورسٹیوں کا نظام ہے، ہمارا نظام اس سے مختلف ہے

Marfat.com

اور ہمارے نظام کے اندر تقریباً سو فیصد نصاب ٹیکسٹ بیس ہے، کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اب تو خیر صورتحال تھوڑی مختلف ہے آپ کے ہاں سالوں کی ایک تقسیم ہے، میں جب پڑھا کرتا تھا تو اس زمانے میں سال کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ اولیٰ میں پڑھ رہے ہیں، ثانیہ میں پڑھ رہے ہیں ثالثہ میں پڑھ رہے ہیں، رابعہ میں پڑھ رہے ہیں خامسہ میں پڑھ رہے ہیں۔ مفتی جمیل صاحب ایک مرتبہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ بھائی مولوی صاحب کیا کر رہے ہو؟ آجکل۔ میں نے کہا خامسہ میں پڑھ رہا ہوں اس وقت میں خامسہ میں پڑھ رہا تھا، بھائی یہ خامسہ وامسہ ہمیں نہیں پتہ یہ بتاؤ کتابیں کونسی پڑھ رہے ہو یہ وہ زمانہ تھا کہ اس زمانے کے اندر اولیٰ ثانیہ ثالثہ خامسہ رابعہ یہ تقسیمات نہیں تھیں، تقسیمات کتابوں سے ہوتی تھی کہ یہ کتابیں پڑھ رہا ہوں، ہدایۃ النحو پڑھ رہا ہوں یا کافیہ پڑھ رہا ہوں، شرح جامی پڑھ رہا ہوں شرح وقایہ پڑھ رہا ہوں یا ہدایہ پڑھ رہا ہوں، نورالانوار پڑھ رہا ہوں یا اصول الشاشی پڑھ رہا ہوں یہ درجات کی تقسیم اس اعتبار اور اس لحاظ سے ہوتی تھی کہ اب اس میں اور تبدیلی آگئی کہ وہ عامہ، خاصہ، اور ثانویہ، عالیہ اور عالمیہ ہوگئے اس کے معنی کیا ہوئے کہ جو اصل درس نظامی کی روح ہے وہ مضامین نہیں ہیں بلکہ کتابیں ہیں، ٹھیک ہے نا؟ آپ یوں نہیں کہتے کہ میں فقہ پڑھ رہا ہوں؛ آپ یوں کہتے ہیں کہ میں شرح وقایہ پڑھ رہا ہوں، میں ہدایہ پڑھ رہا ہوں ٹھیک ہے نا؟ مدرسین جو ہیں وہ یوں نہیں کہتے کہ میں فقہ پڑھاتا ہوں، مدرسین کہتے ہیں میں ہدایہ پڑھا رہا ہوں، میں شرح وقایہ پڑھا رہا ہوں، میں کنز پڑھاتا ہوں۔ مدرسین یوں نہیں کہتے کہ میں حدیث پڑھا رہا ہوں بلکہ مدرسین کہتے ہیں کہ مشکوۃ پڑھاتا ہوں، ٹھیک ہے نا؟ اس کے معنی کیا ہوئے کہ ہمارا نصاب ٹیکسٹ بیس ہوتا ہے اور میں اس بات کو یوں سمجھتا ہوں کہ ملائیشیا میں بھی ایک دو دفعہ کچھ لوگوں سے

Marfat.com

گفتگو ہوئی، درس نظامی سے متعلق انڈیا کے کچھ پروفیسر حضرات تھے ان کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طریقے سے آپ نصاب مرتب کرتے ہو؟ تو پھر میں نے انہیں بتایا کہ ہمارے ہاں جو نصاب ہوتا ہے وہ مضمون بیس نہیں ہوتا بلکہ وہ ٹیکسٹ بیس ہوتا ہے اب ان کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہم کتاب پڑھتے ہیں، ہم مضمون نہیں پڑھتے ہمارا زور کتاب کے اوپر ہوتا ہے تو یہاں میں ایک بات عرض کردوں کہ اگر ہم ایک ہی طرف بیٹھے رہیں یعنی ہم نصاب کو مضمون کی بنیاد پر تشکیل دیں یا صرف کتاب کے اندر گم رہیں، میرے نزدیک یہ دونوں طرف کچھ زیادہ درست نہیں ہیں۔ کیوں؟

اس لیے کہ جب آپ مضمون کی بنیاد پر نصاب کو تشکیل دیتے ہیں، کوئی ٹیکسٹ اور کوئی نصابی کتاب آپ کے ذہن میں یا نصاب میں شامل نہیں ہوتی تو آپ کی گفتگو بعض اوقات بہت بے ربط ہو جاتی ہے، بہت غیر متعلق ہو جاتی ہے بہت باہر نکل جاتی ہے، اور اگر آپ مضمون کی بنیاد کی بجائے کتاب کی بنیاد پر رہتے ہیں تو بعض اوقات آپ کی گفتگو کتاب ہی کے اندر بالکل محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ کتاب کے مضمون سے باہر نہیں نکلتے، یہ دونوں باتیں ہیں۔ چونکہ میں یوں تو نہیں دعویٰ کرتا کہ میں نے دونوں علوم حاصل کیے ہیں لیکن دونوں راستوں سے گزرا ہوں، پڑھایا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے مدرسے میں الحمدللہ پڑھایا ہے ایک عرصے تک اور وہاں یونیورسٹی میں بھی پڑھا رہا ہوں۔ پڑھا بھی دونوں جگہ ہے تو میں دونوں راستوں کے حالات سے کچھ نہ کچھ واقف ہوں، کچھ نہ کچھ اس میں سے گزرتے گزرتے دیکھا ہے۔

علم ولم تو کچھ نہیں آیا جو کچھ اس میں ہے تھوڑا بہت تو وہ وہی نسبت ہے جس کا ذکر حضرت قاری احمد میاں صاحب فرمارہے تھے کہ علمی خانوادے کی نسبت

Marfat.com

ہے، دو چار لفظ اگر پڑھے ہوئے ہیں تو محض اس نسبت کی برکت ہے۔ ورنہ خود کبھی کچھ نہیں کیا، دونوں راستوں میں سے گزر کر یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ان دونوں کے امتزاج سے ایک بات بنائیں کہ نصاب تو ہو کتاب کی بنیاد پر اور کتاب کا جو انتخاب ہو وہ اسی طریقہ سے ہو کہ بالکل سیڑھی با سیڑھی آپ ایک ایک قدم چلتے رہیں مثلاً آپ نے ایک فقہ کا مضمون طے کیا ہے، اب آپ فقہ کو شروع کر رہے ہیں ، نورالایضاح سے شروع کرتے کرتے آپ ہدایہ آخرین تک آجاتے ہیں۔ کتاب کی بنیاد پر نصاب کی تشکیل ہو لیکن اس کتاب کو پڑھانے والا جب اس کتاب کو پڑھائے تو اپنے اوقات کو اس طریقے سے مرتب کرے کہ وہ کتاب کو بھی پڑھائے اور مضمون بھی بتائے ، اپنے ہر گھنٹے اور فترہ کو اس طرح تقسیم کرلے کہ یہ اتنا وقت کتاب کی عبارت کی وضاحت کا ہے، کتاب کی عبارت کی صحت، عبارت کی وضاحت کا، چونکہ ایک زمانہ تھا کہ طلباء عبارت کی حد تک سمجھ کر آتے تھے درس گاہ میں اب تو کتاب کی عبارت سمجھنا تو دور کی بات ہے کتاب کی عبارت کی تلاوت بھی صحیح نہیں ہوتی ، وہ بھی ہمیں بار بار لقمہ دینا پڑتا ہے، یہ رفع نہیں بلکہ نصب ہے، یہاں نصب نہیں جر ہے، لہٰذا کتاب کی جو عبارت ہے اس عبارت کی صحت پر اعتبار ہے۔ لفظ کے اعتبار سے اور اعرابی حالتوں کے اعتبار سے بھی اور پھر اس کی وضاحت یعنی ترجمہ یا اس میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان الفاظ کی وضاحت بھی کہ دس منٹ الفاظ کی وضاحت میں اس کے بعد تھوڑا سا وقت یا یوں کیجیے کہ وقت کا میجر پورشن جو وہ اس کے اندر ہونا چاہیے کہ جو اصل مسئلہ بیان ہوا ہے، جو بات بیان ہو رہی ہے وہ بات کیا بیان ہو رہی ہے اور اس کی وضاحت کے سلسلے میں ہم وقت کو اس طریقے سے مرتب کریں کہ ایک تو وہ بات ہے جو کتاب کے اندر بیان ہوئی ہے پھر اس کتاب کے اندر بیان شدہ اس مسئلے کا انطباق اس

Marfat.com

وقت کے دور کے اوپر یہ بہت ضروری ہے مثال کے طور پر میں ایک مثال عرض کردوں ، (شیخ الحدیث مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ) حضرت تشریف فرماہیں ایک دن مکہ مکرمہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے کہا کہ میں اصول الشاشی پڑھا رہا ہوں تو اصول الشاشی میں جہاں وہ بحث آتی ہے کہ اگر ایک آدمی قسم کھالے کہ میں سالن نہیں کھاؤں گا تو اب اس میں شارحین یہ بحث کرتے ہیں کہ بعض چیزیں تو ایسی ہیں جو سالن کی تینوں تعریفوں پر صادق آتی ہیں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان میں سے سالن کی ایک تعریف پر پوری اترتی ہے اور بعض ان میں سے سالن کی تعریف پر پوری نہیں اترتیں ، مثلاً سالن ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ روٹی کے ساتھ ہی کھایا جاتا ہے سالن ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس میں روٹی ڈبوئی یا بھگوئی جاسکتی ہے اور سالن ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو روٹی کو ذائقہ دیتی ہے ، اب یہ تین الگ الگ تعریفیں ہوئیں سالن کی ، بعض دفعہ تو سالن ان تینوں تعریفوں کے اعتبار سے سالن بن جاتا ہے کہ وہ اتنا تر ہوتا ہے کہ آپ اس میں سے روٹی ڈبو بھی لیتے ہیں اور بھگو بھی لیتے ہیں ، اس میں ذائقہ بھی ہے اور سالن روٹی کے ساتھ ہی کھایا جاتا ہے اور بعض چیزیں خشک ہوتی ہیں آپ اسے سالن اس طور پر نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس میں روٹی ڈبوئی جاسکتی ہے بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو روٹی کے ساتھ بھی کھائی جاسکتی ہیں اور روٹی کے بغیر بھی کھائی جاسکتی ہیں۔

اب صاحب اصول الشاشی نے جو اس میں مثالیں پیش کی ہیں وہ مثالیں ہیں قدیم دور کی۔ اب ہم دور جدید میں ہیں جو چیزیں آج کل پکائی جاتی ہیں مثال کے طور پر میں نے مثال دی روسٹ کی کہ روسٹ ایسی چیز ہے کہ جو روٹی کے ساتھ بھی کھائی جاتی ہے اور روٹی کے بغیر بھی کھائی جاتی ہے ، روٹی سے اس کو ذائقہ بھی ملتا ہے لیکن روٹی اس میں ڈبوئی یا بھگوئی نہیں جاسکتی ، اب یہ ایک اعتبار سے سالن

Marfat.com

ہے اور ایک اعتبار سے سالن نہیں ہے سوال یہ ہے کہ اگر ایتدام کی قسم کوئی شخص لیتا ہے اور پھر روسٹ کھالیتا ہے تو کیا وہ حانث ہوگا یا نہیں ؟ میں نے یہ مثال دی تو تھوڑی دیر بعد نماز کا وقت ہوا ہم لوگ نماز کو چلے گئے ،حضرت نماز سے واپس آئے تو روسٹ کا اتنا بڑا تھیلا ، انہوں نے کہا بھائی یہ تمہارا اس مثال کا انعام ہے ، مثال ایسی دی جائے کہ جس سے یوں محسوس ہو طالب علم کو کہ جو علم میں پڑھ رہا ہوں اس کا انطباق آج بھی ہے ، موجود ہے ، یہ زندہ علم ہے ، یہ مردہ علم نہیں کوئی فوت شدہ علم نہیں ہے ، یہ کوئی ماضی کی باتیں نہیں ہیں ، اگر ہم انہیں مثالوں کے اندر اپنے آپ کو محدود رکھیں مثلاً ہم کوئی بیع وشراء کی بات کرتے ہیں اور بیع وشراء میں اپنی بات غلام ولونڈی تک محدود رکھتے ہیں تو طالب علم یہ سمجھے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احکام آج کے احکام نہیں ہیں ، یہ احکام کہیں ماضی کے احکام تھے ، ماضی میں ان پر عمل ہوسکتا تھا ، آج کے دور میں ان پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا یہ تأثر ہم اپنے طالب علم کو دیں گے ، اگر ہم محدود رہیں بیع وشراء کے احکام میں لونڈی یا باندی کے بیع وشراء تک اگر ہم مضاربت پڑھا رہے ہیں اگر ہم کتاب الشرکۃ اور مضاربت کے احکام پڑھاتے ہوئے ہم اس کی اسٹاک ایکسچینج کی مثال دیتے ہیں کہ سٹاک ایکس چینج میں مضاربت اس طرح ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ طالب علم میں اس بات کا شعور ہوگا اور اس بات کو محسوس کرے گا کہ جو علم میں پڑھ رہا ہوں وہ آج کا علم ہے ، آج بھی اس کا اطلاق ہے ، آج بھی اس کا انطباق ہے اور آج بھی وہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ آج کے مسائل کو بھی سمجھے گا ، اور یہ بات میں عرض کردوں کہ ہم ایک میٹنگ میں تھے ، وفاق کی میٹنگ تھی ، ڈاکٹر محمود غازی صاحب بھی تھے وہاں ، ڈاکٹر محمود غازی صاحب نے یہ بات کہی کہ آپ اس طرح سے نصاب کو تشکیل دیں کہ یہ معلوم ہو کہ آج کے جو مسائل ہیں وہ زیر بحث آئیں آج جو دینی

Marfat.com

مدرسے سے فارغ ہو کر ایک طالب علم نکلتا ہے تو لوگ اس سے قطبی کے مسائل نہیں پوچھتے، لوگ اس سے مسلم الثبوت کے مسائل نہیں پوچھتے۔ لوگ اس سے عام پیش آنے والے مسائل پوچھتے ہیں عام پیش آنے والے مسائل میں وہ بے بہرہ سا ہوتا ہے۔ یہ چیز اگر ہم نصاب میں نہیں لا سکتے تو ہم اپنی ترتیب اوقات میں لا سکتے ہیں اور الحمدللہ میں دیکھ رہا تھا آپ کا نظام الاوقات یعنی دارالعلوم کا جو نظام الاوقات ہے ہدایہ کا غالباً ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی اس میں لکھا تھا کہ ہدایہ کی تدریس میں وہ جدید معیشت بھی پڑھاتے ہیں، اچھی بات ہے یہ چیز ہونی چاہیے، اور اوقات کی ترتیب اس طرح سے ہو کہ ہم کتاب کے اندر محدود نہ رہیں بلکہ کتاب کے ساتھ ساتھ ہم طالب علم کو مضمون بھی پڑھا رہے ہوں، اور اس مضمون کے آج کے انطباق کو بھی بتلا رہے ہوں اور یہ بھی بتلا رہے ہوں کہ یہ مضمون فوت شدہ مضمون نہیں ہے، قبرستان کا مضمون نہیں ہے، آج کی زندگی کا مضمون ہے۔ لہٰذا اوقات کی ترتیب جو ہمارا ایک فقرہ ہے اس فقرہ کی ترتیب کے اندر یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے اوقات کو کتاب کو سمجھانے کے بعد وہ احکام اور وہ مسائل اور ان مثالوں کے ساتھ سمجھانے والے ہوں جو احکام آج کے احکام ہیں۔

اس کے بعد جو تیسری چیز ہے اور تیسرے مرحلے پر جو ہمارے وقت کی ترتیب ہونی چاہیے وہ یہ کہ جیسے اعادہ کی بات ہوئی کہ اعادہ، ایک تو اعادہ ہوتا ہے ہر طالب علم کا، طالب علم کا اعادہ تو یہ ہے کہ آپ نے اس سے پوچھ لیا کہ بتاؤ میں نے آج کیا پڑھایا، کیا سمجھ میں آیا تمہارے؟ ایک اعادہ استاذ کا ہوتا ہے، استاذ کا اعادہ یہ ہوتا ہے کہ استاذ اپنے آخری دو چار منٹوں میں اپنی اس پوری گفتگو کا خلاصہ بیان کر دے، لب لباب اور نچوڑ بیان کر دے کہ بھائی آج ہم نے جو سبق پڑھا ہے اس سبق کا لب لباب اس کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ یہ ہے کہ آج جو بات ہوئی ہے وہ

Marfat.com

یہ ہوئی ہے، ماحصل اس کا یہ ہے اس ماحصل کے لئے آخری وقت کے اندر بھی تھوڑا ساوقت رکھنا، ترتیب و تنظیم الاوقات کے اندر اس کوملحوظ رکھنا یہ ضروری ہے۔

چوتھی چیز یہ کہ جو نصاب کی سالانہ تقسیم اور اس میں اوقات کی جو بہتر ترتیب ہے اس ترتیب میں جس بات کوملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ کتاب جب ہم شروع کرر ہے ہیں ،اس کتاب کے متعلق کچھ تعارفی بحث ضروری ہے۔ کتاب کا مصنف کون ہے اس کا نام کیا ہے پورا نام کیا ہے،اس کا سال پیدائش کیا ہے، سال وفات کیا ہے، کس دور کا وہ آدمی ہے اس دور میں حالات و واقعات کیا تھے، اور کن حالات کے تحت اس نے یہ کتاب تصنیف کی؟ جیسے ابھی بات ہورہی تھی اسباب و واقعات اور اثرات نتائج کی ،کن حالات کے تحت کیا ضرورت پیش آئی مرغینانی کو ہدایہ لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی ،شرح وقایہ لکھنے کی ، یا کنز الدقائق لکھے جانے کی کیا ضرورت پیش آئی ، قدوری کے اوپر مفصل کتاب لکھنے کی ، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ مرغینانی کوئی علیحدہ مستقل کتاب لکھتے انہوں نے باقاعدہ قدوری کو بنیاد بنایا، قدوری کو بنیاد بنا کر اس پر اتنی طویل کتاب لکھی ، حالانکہ آپ قدوری کو دیکھیں کہ قدوری تو اتنی بڑی کتاب محسوس نہیں ہوتی ،آپ اگر کسی سے کہیں کہ میں قدوری پڑھا رہا ہوں تو اتنی اہمیت آپ کے علمی حوالے سے نہیں بنے گی ،لیکن آپ کہیں کہ میں ہدایہ پڑھا رہا ہوں تو ہے نا!

جیسے جامعہ اشرفیہ کے ایک استاذ تھے انؒ سے کوئی پوچھتا تھا کہ آپ کیا پڑھا رہے ہیں تو وہ کہتے کہ بہت ساری کتابیں ہیں متن بیضاوی ہے متن جلالین ہے، تو کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا مطلب ہے انہوں نے کہا کہ اگر میں کسی سے کہوں کہ میں جامعہ اشرفیہ میں قرآن مجید پڑھا رہا ہوں تو میری اتنی اہمیت نہ بنے گی ،لیکن میں کہتا ہوں کہ متن بیضاوی پڑھا رہا ہوں ، متن جلالین پڑھا رہا ہوں تو

Marfat.com

لوگ سمجھتے ہیں کہ کتنی بڑی بڑی کتابیں پڑھا رہا ہے، تو قدوری متن ہے اگر کوئی شخص قدوری پڑھاتا ہے تو وہ بتاتا ہے کہ میں قدوری پڑھاتا ہوں تو اس کی علمی اہمیت اتنی زیادہ محسوس نہیں ہوتی، لیکن جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں ہدایہ پڑھاتا ہوں تو اُس کی علمی اہمیت اور قدومنزلت زیادہ شمار ہوگی۔ واقعۃً بات ہے کہ قدوری پڑھانا آسان ہے اور ہدایہ پڑھانا بڑا مشکل کام ہے، آسان کام نہیں ہے ہدایہ پڑھانا، کافیہ پڑھانا آسان ہے شرح جامی پڑھانا مشکل ہے، اصول الشاشی پڑھانا آسان ہے نورالانوار پڑھانا مشکل ہے، جب ایک شخص نورالانوار پڑھاتا ہے تو وہ بڑا استاذ ہے اس کے مقابلے میں جو شخص اصول الشاشی پڑھاتا ہے وہ چھوٹا استاذ ہے لیکن یہ کیابات ہے؟ صاحب ہدایہ کے نزدیک تو قدوری کی اتنی اہمیت تھی کہ انہوں نے اتنی وقیع اور اتنی مفصل شرح اس پر لکھی اس کو بنیاد بنایا اور اس کو متن بنایا، اور ہمارے نزدیک قدوری کی اہمیت ہدایہ کے مقابلے میں بہت کم ہے، یہ کیابات ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے قدوری کے مصنف کو اور مصنف کے حالات کو اور ان حالات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جن حالات کے اندر قدوری ترتیب دی گئی، للہذا سال کی تقسیم کے اندر یہ بات ضروری ہے کہ ہم آغاز میں جب کتاب شروع کریں تو کتاب کی ایک تعارفی بحث ہو، مؤلف کی ایک تعارفی بحث ہو، یہ طالب علم کے سامنے ضروری آنی چاہیے اور میرے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے متعلق سوال بھی ضرور امتحان میں آنا چاہیے، یعنی ہر امتحان میں ہر سوال کے ساتھ ایک جزو اس طور پر شامل کرسکتے ہیں، اس کتاب سے جو بھی سوال آرہا ہے، آپ اس سوال کے ساتھ یا سوال کے جزء کے ساتھ مثال کے طور پر کہ صاحب قدوری کے حالات زندگی لکھتے ہوئے کتاب الصلوۃ کے فلاں مسئلے کی وضاحت فرمائیں، یا کوئی متن ترجمہ تشریح کے لئے دے رہے ہیں تو وہ اس کے

Marfat.com

ساتھ دیدیں، یہ ہوسکتا ہے سال کی تقسیم کے اندر ایک تو یہ بات ہے۔

ایک اور بات میں نے جب پڑھا میں نے اس کمی کو محسوس کیا، تقریباً اب کسی حد تک اس کا نظم ہو رہا ہے، بطور خاص جب ہم فقہ پڑھتے ہیں تو نورالایضاح سے فقہ شروع ہوا ہے نورالایضاح پڑھی، نورالایضاح کے بعد قدوری پڑھی، قدوری کے بعد کنز پڑھی کنز کے بعد شرح وقایہ پڑھی، شرح وقایہ کے بعد ہدایہ پڑھی ہر کتاب، کتاب الطہارۃ سے شروع ہوئی پھر کتاب الصلوۃ شروع ہوئی کتاب الزکوۃ آئی پھر کتاب الحج آئی سال ختم ہوگیا، اگلا سال آگیا اگلے سال ذرا اس سے بڑی کتاب، کتاب الطہارۃ سے شروع ہوئی، کتاب الصلوۃ شروع ہوئی زکوۃ آئی، کتاب الحج آئی سال ختم ہوگیا ، پھر اگلا سال آیا کنز شروع ہوگئی، شروع ہوئی کتاب الطہارۃ سے، پھر کتاب الصلوۃ کتاب الزکوۃ کا کچھ حصہ ہوا تھا کہ سال ختم ہوگیا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوع پڑھتا ہے ایک طالب علم ہدایہ ثالث میں آکر اور وہ اس وقت پڑھتا ہے کہ ہدایہ ثالث کی سطح پر آکر اور اس معیار پر آکر وہ بیوع کے احکام پڑھنا شروع کرتا ہے، جب اس کو بیع کی تعریف بھی نہیں آتی، اس یہ نہیں پتہ کہ بیع وشراء ہوتا کیا ہے؟ اور اس معیار پر جب طالب علم کے سامنے ہدایہ ثالث کا استاذ ہدایہ پڑھانا شروع کرتا ہے تو بہت سے مسائل اس کے سر کے اتنے اوپر سے گزر رہے ہوتے ہیں کہ اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنے اوپر سے گزر رہے ہیں، لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ احکام کی اس طریقہ سے تقسیم کی جائے کہ سال کے لئے جب ہم نصابات کو ترتیب دیتے ہیں اور اوقات کی تنظیم وترتیب بناتے ہیں کہ اس میں یہ جو معاملات سے متعلقہ احکام ہیں ان معاملات سے متعلق احکام بھی شروع سے کچھ نہ کچھ ضرور آئیں تاکہ یہ نہ ہو کہ ہدایہ ثالث کی سطح پر آکر جب وہ بیوع پڑھ رہا ہو تو اس کا کوئی پس منظر بیوع کے حوالے سے نہ ہو، یہ بات

Marfat.com

ضروری ہے۔

پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ حدیث کی تدریس میں بطور خاص کہ ہم اپنے اوقات کو اس طریقے سے تقسیم کریں کہ ہم نے یہ دیکھا اپنے اساتذہ کو کہ جب وہ حدیث کا درس دے رہے ہیں تو ان کی جو ایک سبق کی تعلیم ہوتی تھی وہ اس انداز سے ہوتی تھی، کہ سب سے پہلے سند کے اوپر بات ہوتی تھی یہ حدیث ہے اور اس کی سند کیا ہے؟ یہی متن اور کن کن اسناد سے منقول ہے، اس سند کے جو حوالے ہیں ان سب میں اتصال ہے یا کہیں کوئی انقطاع ہے، کہیں کوئی تدلیس ہے یا کہیں کوئی اعضال ہے، اس کی وضاحت ہوتی تھی اور مجھے آج تک حیرت ہوتی ہے اس بات کے اوپر کہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ ہم ان سے بخاری شریف پڑھا کرتے تھے والد محترم اپنی کتاب کے لئے پہلے دن کسی طالب علم سے پوچھ لیتے تھے کہ کون سا طالب علم ہے جو پابندی کے ساتھ آئے گا؟ روز آئے گا، چھٹی نہیں کرے گا، کوئی ایک طالب علم کہہ دیتا تھا کہ میں چھٹی نہیں کروں گا، میں پابندی سے آؤں گا، اچھا بھائی یہ میری کتاب تمہارے پاس رہے گی روزانہ اپنی کتاب کے ساتھ میری کتاب بھی لایا کرو، اور یہاں رکھ دیا کرو، گھر سے وہ بغیر کسی نکات کے بغیر کسی کاغذ کے جایا کرتے تھے رات کو مطالعہ فرمایا کرتے تھے یہ معمول ہم نے سالہا سال دیکھا کچھ نہ کچھ صبح کو لیکن ایک بڑا عجیب وغریب معمول میں نے اکثر دیکھا کہ اسلام آباد سے آرہے ہیں میں ایئر پورٹ لینے گیا تو واپس آرہے ہیں تو واپس آتے وقت جامعہ اشرفیہ میں گئے تو کوئی بھی طالب علم نظر آگیا دورے کا، بھائی اس وقت دورے کے طلباء کیا کررہے ہیں؟ کہا اس وقت تو فارغ ہیں کچھ نہیں کررہے، اچھا سب سے کہو دار الحدیث میں جمع ہو جائیں میں ابھی دس منٹ کے بعد آکے سبق پڑھاتا ہوں، گھر پہنچے تو وضو کیا جائے اور سبق کے لیے چلے گئے،

Marfat.com

اب کتاب کھولی اور کتاب کھولنے کے بعد بقول مولانا متین ہاشمی مرحوم کے کہ اس آدمی کے دماغ میں ٹیپ ریکارڈ فٹ ہے بٹن دباؤ تو یہ چل پڑتا ہے، تو اب وہاں سند پر بحث ہو رہی ہے، یہ فلاں راوی ہیں یہ کہتا ہے، سمعت عن فلاں حالانکہ اس کی جو سال وفات ہے وہ اس کے سال ولادت سے پہلے ہے یہ تو پیدا ہی اس وفات کے بعد ہوا ہے، کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس سے سنا ہے، نقد سند کے اوپر بحث ہو رہی ہے اور بغیر کسی یادداشت کے، سامنے کوئی یادداشت نہیں، سند کے اوپر بحث ہو رہی ہے سند کے بعد متن کے اوپر بحث ہو رہی ہے، متن کے بعد متن سے نکلنے والے فقہی مسائل کے اوپر اور اس سے مستنبط شدہ مسائل پر، یہ بات اس لیے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں جب درس حدیث ہوتا ہے تو ہمارا زیادہ زور حدیث کے متعلق مستنبط احکام و مسائل پر ہوتا ہے اور اس میں جو فقہی اختلافات ہیں ان میں زیادہ ہوتا ہے، حدیث جب آدمی پڑھا رہا ہے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ یہ بات ملحوظ رکھے کہ میں محدث ہوں استاذ الحدیث ہوں، حدیث پڑھا رہا ہوں استاذ الفقہ نہیں ہوں، لہٰذا اسے حدیث کو حدیث ہی کے انداز میں پڑھانا چاہیے، اسے حدیث کو محدثین کے انداز میں پڑھانا چاہیے، حدیث کو فقیہانہ انداز میں نہیں پڑھانا چاہیے، وہ اوقات کی تقسیم و ترتیب اس طریقے سے کرے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ محدث بیٹھا ہوا اور محدث بیٹھ کر حدیث پڑھا رہا ہے، اِس کی نظر اسناد حدیث پر بھی ہے اور اس کی نظر متون حدیث کے اوپر بھی ہے، علوم اور اصول حدیث کے اوپر بھی ہے اور پھر حدیث سے متفرعہ اور مستنبطہ مسائل کے اوپر بھی ہے۔ اس لیے اوقات کی تنظیم اور اوقات کی ترتیب یہ دونوں اعتبارات کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے، اور نہایت اہمیت کے ساتھ اور بہت شعور کے ساتھ ہمیں اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے اور اس بات کا لحاظ ہونا چاہیے کہ اہم اپنے اوقات کو

Marfat.com

پوری شعوری کیفیت کے ساتھ پورے ارادہ کے ساتھ اس طریقے سے تقسیم کرنے والے ہوں کہ ہمارا ہر سبق ایک بڑا قیمتی سبق ہو اور بہت قیمتی یونٹ کی حیثیت رکھتا ہو، اور ہر طالب علم اس کو ایک خاص انداز کے ساتھ اور خاص ترتیب کے ساتھ سمجھنے والا ہو۔

خلاصہ یہ کہ ہر استاد کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ مجھے سبق اور نصاب اپنے اوقات اور نصاب کی سالانہ تنظیم کے اعتبار سے پڑھانا ہے، نفسِ مضمون سے طالب علم کو آگاہ کرنا ہے اور اُس کے ذہن وفکر کی ان خطوط پر تربیت کرنی ہے کہ کل کو جب وہ عملی زندگی میں آئے تو اوقات کی قدر ومنزلت اور اُن کی بہتر تقسیم کی اہمیت سے روشناس ہو۔ اگر ہم اپنے اوقات پورے حسن ترتیب کے ساتھ مرتب کرلیں تو یہ کام بہت آسان ہو جائیگا۔ بات ہر استاذ کو ملحوظ رکھنی چاہیے، کہ مجھے سبق اس طریقے سے پڑھانا چاہیے اور یہ بات تب ہی آسکتی ہے کہ جب اپنے اوقات کو پوری تنظیم کے ساتھ اور پورے حسن ترتیب کے ساتھ مرتب فرمالیں، تو یہ کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمیں توفیق نصیب فرمائے کہ ہم اپنی تدریسی ذمہ داریاں کما حقہ پوری کریں اور نسل نو کی بہترین تربیت کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تعلیمی نفسیات
و
تعلیمی جائزہ

پروفیسر حافظ محمد یونس صاحب

ڈائریکٹر (ریسرچ اینڈ ٹریننگ)

پی ایم یو، لٹریسی پروگرام لٹریسی اینڈ این ایف بی ای ڈیپارٹمنٹ پنجاب

تاریخ: 14-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سامعین محترم و اساتذہ کرام!

آج ہم اس نشست میں انشاء اللہ تعلیمی نفسیات اور تعلیمی جائزہ کے موضوع پر بات کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد ساتھ ساتھ ہی آپ کے ساتھ کچھ آراء کا بھی تبادلہ خیال ہوتا جائے گا۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ علماء کرام کی اس محفل میں مجھے بھی مدعو کیا گیا اور میں ایک طفل مکتب کی حیثیت سے آپ کے سامنے چند ایک معروضات پیش کرنے کی کوشش کروں گا بلکہ یوں سمجھیے کہ ایک طفل کی حیثیت سے اور ایک طفل مکتب کی حیثیت سے آپ کو اپنا سبق سناؤں گا، اس میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو امید ہے کہ آپ اس سے درگزر فرمائیں گے۔

ہمارا موضوع، تعلیمی نفسیات اور تعلیمی جائزہ ہے اس سے پہلی نشست جو ایک دفعہ ہوئی تھی اس میں ہم نے زیادہ تر تعلیمی نفسیات، طلباء کی زندگی میں اس کا کردار، تعلیمی نفسیات اور بچے کی مختلف ڈویلپمنٹل سٹیجز (Developmental stages) پر ہم نے گفتگو کی تھی۔

آپ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گروتھ کے مراحل یا بالیدگی کی منازل جو پیش آتی ہیں اس میں جسمانی، ذہنی اور جذباتی، معاشرتی نشو ونما پر کچھ بات کی تھی آج ہم اپنا زیادہ تر وقت تعلیمی جائزہ کے اوپر بات کرتے ہوئے گزاریں گے۔ یہ بھی ایک ایسا لمبا اور جامع موضوع ہے کہ اس کے اوپر ایک نشست میں جتنی بھی گفتگو کی جائے کم ہے۔ پوری کی پوری کتابیں لکھی ہوئی ہیں لیکن ہم کوشش کریں گے کہ اس مختصر سے وقت کے اندر اس کے سارے ذیلی عنوانات اور اس سے متعلقہ ساری کی ساری چیزوں کو آپ کے گوش گزار کردیں۔

Marfat.com

تعلیمی نفسیات کے حوالے سے اگر ہم بات کریں تو سب سے پہلے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ صرف تعلیمی نفسیات کسے کہتے ہیں؟ شروع میں اس کی تعریف کی جاتی تھی کہ یہ روح کا علم ہے، بعد میں کہا جانے لگا کہ یہ روح کے بارے میں نہیں بلکہ انسان کے کردار کا علم ہے۔ یعنی جو کردار مختلف جگہوں پہ ہمارے سامنے آتا ہے اس کا محرک کچھ بھی ہو، یعنی کردار کا مطالعہ نفسیات کہلاتا ہے، یہ اس کی مختصر تعریف ہے۔

انسانی زندگی کے کون سے شعبے اور کون سے ادوار ہیں یہاں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک نفسیات کا تعلق ہے ماہرین نفسیات یہ بات کہتے ہیں کہ اس کا تعلق بچے کی پیدائش سے لے کر آخر تک ہے بلکہ کچھ تو یوں کہتے ہیں کہ پیدائش سے پہلے کے جو مراحل ہیں جس میں بچہ بطن مادر میں مختلف مراحل سے گزرتا ہے سب اس میں شامل ہیں۔ پیدائش کے بعد سب سے پہلا بالک پن کا دور آتا ہے اور اس کے بعد بچپن کا دور آتا ہے۔ بچپن کے بعد لڑکپن کا دور آتا ہے اس کے بعد بالغ پن کا دور آتا ہے اور اس کے بعد بڑھاپے یا کہولت کا دور آتا ہے، یہ سارے کے سارے ادوار جو ہیں ان میں ہونے والی تبدیلیوں اور نشوونما کی مختلف اقسام پر نفسیات گفتگو کرتی ہے۔ اب اس کے اندر کچھ چیزیں ایسی آتی ہیں جس میں خاص طور پر اس نے دیکھنا ہوتا ہے چونکہ نفسیات کا مضمون ایک بڑا جامع ہے اس کی مختلف برانچز یا شاخیں ہیں اس میں ایک کلینکل سائیکالوجی بھی ہے اس میں دماغی امراض کا مطالعہ اور ان کا علاج کیا جاتا ہے رہنمائی نفسیات (Guidance) بھی کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ہمارا شعبہ اس وقت اس سے متعلق ہے یا جس کے بارے میں ہم گفتگو کریں گے وہ زیادہ تر تعلیمی سائیکالوجی یعنی Educational Psychology ہے۔ ایجوکیشنل

Marfat.com

سائیکالوجی کی تعلیمی حالت کا تعلق اس شعبہ زندگی سے ہے جس کے اندر ہم بچے کی مختلف پہلوؤں سے نشوونما کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جب بچہ ہمارے پاس آتا ہے تو اس کو ہم نے کیا کچھ بتانا ہوتا ہے اور اس کے بتانے کے مرحلے میں یہ بھی ہے کہ وہ گھر سے کیا کچھ سیکھ کے آیا ہے۔ جب ہم بتا رہے ہوتے ہیں تو یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے اندر قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ جو صلاحیتیں پہلے سے موجود ہوتی ہیں ان کو ہم نے کس طرح سے نکھارنا ہے۔ ہمارے نکھار کے اندر اور اسے گائیڈینس دینے کے اندر اور اس کی تربیت کرنے کے اندر کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور کہاں کہاں پہ ان کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور عمل دخل کے نتیجے میں اس کے اندر اس کی جسمانی، جذباتی معاشرتی اور ذہنی نشوونما کس حدتک پروان چڑھتی ہے۔ اگر اس کے اندر خدانخواستہ کوئی تفاوت آجائے اور معاشی روگردانی آجائے تو ہم کیسے اس کا علاج کرسکتے ہیں یہ اس کی کچھ عمومی باتیں ہیں جن کے بارے میں آگے چل کر قدرے تفصیل سے بات کریں گے لیکن زیادہ تر آج جو بات کریں گے وہ تعلیمی جائزے پر ہوگی۔ یہاں پر میں یہ بتاتا چلوں کہ ہمارے نظام تعلیم یا کوئی بھی نظام تعلیم ہو اس کے اندر چار چیزیں یا چار عناصر یا چار ٹرمنالوجی یا اصطلاحات بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں ان میں سب سے پہلی چیز مقاصد ہے، دوسری چیز نصاب ہے، تیسری چیز طریقہ تدریس ہے، اور چوتھی چیز جائزہ ہے۔

مقاصد:

کسی بھی معاشرے کے اندر جس وقت ہم نظام تعلیم کے ڈھانچے کی تشکیل کرتے ہیں سب سے پہلی چیز جس کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ مقاصد ہیں، یہ

Marfat.com

مقاصد کیا چیز ہیں؟ جن کے لیے ہم یہ سارے کا سارا نظام بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اور آگے چل کر ہم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس کا تعین کیے بغیر ہم آگے نہیں چل سکتے قرآن حکیم کے اندر بھی اللہ رب نے انسان کی تخلیق کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے:

وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو محض (اپنی) عبادت کے لئے پیدا کیا ہے''

اسے آپ غرض و غایت بھی کہہ سکتے ہیں۔ غرض و غایت اور مقاصد کا تعین کس طرح کیا جاتا ہے آیئے اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم بات کریں کہ اس ساری تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ یہ جو ہم مدرسے میں آتے ہیں، قرآن کریم کے حفظ کرنے کا ہو اس کے بعد درس نظامی ہو، بخاری شریف ہو، مسلم ہو، ابوداؤد ہو، ابن ماجہ ہو، یا اس کے علاوہ دوسرے اس سے متعلقہ علوم جو ''علوم آلیہ'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ان کی تدریس کا کیا مقصد ہے؟ ظاہری بات ہے کہ ہر آدمی یہی کہے گا کہ ان کے حصول کا مقصد یہ ہے کہ ان کو حاصل کرنے کے بعد ان پر عمل کیا جا سکے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کیا جا سکے۔ مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمہ نے بڑی اچھی بات فرمائی کہ قرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو عبادت اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اطاعت اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کر لیا جائے۔ تو سب سے پہلے مقاصد ہیں کہ اس نظام تعلیم کو بنانے کا اور اسے پڑھانے کا اور اس کو آپ کے سامنے لانے کا کیا مقصد ہے؟ اگر ایک اسلامی معاشرہ ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ کریں گے اللہ کی رضا کی خاطر کریں گے چاہے کسی کو قرض دینا ہو چاہے کسی سے

Marfat.com

قرض لینا ہو یا ہمارا رفاہ عامہ کا کوئی کام ہو۔ سکول ڈسپنسری، کلینک یا اس کے علاوہ کوئی بھی کام ہو، وہ سارے کا سارا اللہ کی رضا کے تحت ہونا چاہیے اور اگر کوئی سیکولر معاشرہ ہے تو ان کے اندر یہی ہوگا کہ ہم نے اتنے انجینئر پیدا کرنے ہیں۔ اتنے سائنسدان پیدا کرنے ہیں ہم نے فلاں فلاں مضمون یا شعبے کے اتنے ماہرین کو پیدا کرنا ہے اور ان کو اس قابل بنا دینا ہے۔ ان کا مقصد یہی ہوتا ہے، اور کوئی مقصد رضائے الٰہی کا حصول وغیرہ ان کے ہاں دیکھنے میں نہیں آتا۔

نصاب:

اب جس وقت ہم نے مقاصد کا تعین کرلیا کہ یہ مقاصد ہیں یہ ہماری غرض وغایت ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ہمیں کوئی نہ کوئی ایسا مواد ترتیب دینا ہوگا جو یہ مواد طلباء کو لرنرز یا سیکھنے والوں کو کتابی یا تحریری شکل، یا مقالے کی شکل میں یا امدادی کتب کی شکل میں ہو، مہیا کرتے ہیں سارے کا سارا نصاب کہلاتا ہے۔ یہاں یہ ایک بات عرض کردوں کہ نصاب اور سلیبس میں معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ ہم اس کی باریکیوں میں نہیں جاتے صرف اتنا دیکھ لیں کہ نصاب صرف اس بات کا نام ہے کہ جو سارے کا سارا یعنی آؤٹ لائنز آپ کو دی جاتی ہیں کہ یہ آپ نے پڑھانا ہے وہ سارے کا سارا نصاب کہلاتا ہے۔ اور سلیبس کو اسی کا ایک اہم حصہ سمجھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ سے یہ کہہ دیا جائے کہ قرآن حکیم کی تفسیر کرنا آجائے تو اس کے لیے آپ پہلی تمام تفاسیر سے استفادہ کرسکتے ہیں وہ تفسیر کوئی بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ آپ کو تفسیر کرنا آجائے یعنی جو بھی ہمارے سلف صالحین نے لکھا ہے، قرآن حکیم کے مطابق آپ اس کی من وعن وہی تفسیر کریں جو پہلے سے ہوتی چلی آئی ہے، اس کے لیے تفسیر ابن کثیر ہو، روح المعانی ہو

Marfat.com

تفسیر کبیر ہو (امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی)، کوئی بھی تفسیر ہو آپ اس کو ضرور دیکھیں گے، بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اتنی کتابوں کا احاطہ کرنا، ان سب کا مطالعہ کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے تو اس کے لیے ایک سلیبس مقرر کر دیا جاتا ہے وہ سلیبس ایک خاص نصاب ہوتا ہے جیسے تفاسیر میں تفسیر بیضاوی یا تفسیر جلالین کو لے لیا جائے، کسی بھی تفسیر کو لے لینے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ساری دنیا کی تفاسیر اس کے اندر آگئی ہیں بلکہ یہ ہے کہ جتنے جامع مضامین ہو سکتے ہیں یا اس کا ایک انداز اور نمونہ ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے آگیا ہے۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ آتا ہے وہ ہے طریقۂ تدریس۔

طریقۂ تدریس:

جو نصاب تفویض کر دیا گیا چاہے تفسیر، حدیث، فقہ اصول فقہ کے بارے میں ہو یا اس کے علاوہ صرف ونحو، ادب یا انشا پردازی جو کچھ بھی ہو یہ جتنے علوم ہیں ان کو پڑھانے کے لیے آپ کو کوئی نہ کوئی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جس کی بدولت ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اب اس کے لیے جتنے بھی طریقہ ہائے تدریس ہیں ان کو ہم نے دیکھنا ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ پر ایک ہی طریقہ مؤثر ہو سکتا ہے، مدارس میں ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے وہ تقریری طریقہ ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ کے زیادہ تر جو خطبات ہیں، مواعظ ہیں وہ بھی اسی طرح سے ہمیں ملتے ہیں، خطبہ حجۃ الوداع وغیرہ اور یہاں بھی اکثر یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ کرام عبارت پڑھ لیتے ہیں اور پھر اس میں متعلقہ جتنی چیزیں ہوتی ہیں وہ بیان فرما دیتے ہیں۔

یہ ایک تقریری طریقہ ہے اس کے علاوہ اور بھی مختلف طریقہ ہائے

Marfat.com

تدریس ہیں جیسے آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ کے ساتھ باہر گئے تو آپ نے ایک درخت کی ٹہنی کو پکڑا اس کو ہلایا اور فرمایا کہ ابوذرؓ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں نے یہ کام کیوں کیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کے رسول بتا دیجیے۔

فرمایا کہ جب کوئی آدمی پانچ وقت کی نماز کو پابندی سے ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس ٹہنی سے پتے جھڑ گئے ہیں یہ ایک ڈیمونسٹریشن تھی مظاہراتی مطالعہ تھا آپؐ نے وہ کر کے دکھا دی اسی طرح سے آپؐ نے حدیث بیان فرمائی جس میں یوں فرمایا کہ موت تو انسان کے سر پر ہے لیکن اس کی خواہشات یہاں تک آپؐ نے ہاتھ کو آگے کر کے اشارہ کے ساتھ بتایا یہ بھی ایک طریقۂ تدریس ہے۔ اسی طرح بعض اوقات آپؐ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، یہ بھی ایک طریقۂ تدریس ہے۔ تو ہم مختلف طریقہ ہائے تدریس اپنا سکتے ہیں اسی طرح جب ہم سائنس کے مضامین پڑھا رہے ہوتے ہیں تو استاذ اس وقت کوئی نہ کوئی عمل ہمیں کر کے دکھاتا ہے اس کو ہم ڈیمونسٹریشن میتھڈ کہتے ہیں یعنی مظاہراتی طریقۂ تدریس، یہ اسی وقت کر کے دکھایا جاتا ہے کہ اس کو ایسے کر لیا جائے اس کو ایسے کر لیا جائے، کچھ اور بھی اس میں طریقے ہائے تدریس ہیں جسے انڈیکٹو ہے اور ڈیڈیکٹو ہے سوال جواب کا ایک طریقہ ہے، انکشافی میتھڈ ہوتا ہے، یہ مختلف طریقے ہیں ان سب کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی بات سے آگاہ کر دیا لیکن یہ بات میں بھی یہاں بتاتا چلوں کہ جتنے بھی طریقہ ہائے تدریس ہیں ان میں اصل وہ ہوتا ہے جو استاذ کلاس (جماعت) کے اندر نفسیاتی اصولوں کو اپناتے ہوئے یا ان کو لاگو کرتے ہوئے پڑھاتا ہے، بعض اوقات یہ سارے کے سارے طریقے بیک وقت، بعض جزوی اعتبار سے، بعض کلی اعتبار سے کلاس کے اندر

Marfat.com

شامل ہوتے ہیں۔ان کے مطابق تدریس کی جاتی ہے اب اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جائزہ کیا ہوتا ہے؟۔

جائزہ:

جائزہ میں کیا چیزیں ہیں آگے چل کے بات کرتے ہیں۔ہم نے مقاصدِ تعلیم بھی اعلیٰ مقرر کر دیے، بلکہ اگر طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو مجھے ایک حوالہ دینا ہے سر سید احمد خان نے جب ایم اے او کالج کی بنیاد رکھی تو ان سے طریقہ پوچھا گیا تو انہوں نے نعرے کے لحاظ سے ایک بہت اچھا نعرہ لگایا، کہنے لگے کہ ہمارے علوم ایسے ہوں گے دائیں ہاتھ میں عصری علوم ہوں گے، بائیں ہاتھ میں سائنسی علوم ہوں گے اور سر پر کلمہ طیبہ کا تاج ہوگا، زبانی کلامی نعرے کے اعتبار سے تو انہوں نے اتنا بڑا نعرہ لگا دیا لیکن بعد میں حالات نے کیا ثابت کیا یعنی جائزے نے یہ بات ثابت کی اور مولانا حالی جیسے درویش منش انسان کو ان کے بارے میں یہ بات کہنا پڑی کہ علی گڑھ سے جو طلباء فارغ ہو کر نکلتے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں پینٹ ہوتی ہے اور دوسرے میں ہاتھ میں سوائے کوٹ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا ہے یعنی باقی کے لحاظ سے وہ صفر ہیں۔نعرہ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اصل چیز اس کا انجام ہوتا ہے۔

تو ان تمام چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے اس وقت ہمارا نظام تعلیم ۲۰۰۱ء کا نظام ہو ۲۰۰۶ء کا ہو یا شروع میں ۱۹۴۹ء میں شریف الدین کمیشن ہو یا اس کے بعد جتنی پالیسیاں بنتی رہی ہیں ان کے اگر ٹائٹل پہ سب سے پہلا صفحہ ہی اٹھا کے دیکھیں مقاصد کے اندر انہوں نے یہی لکھا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے اپنے ایسے شہری پیدا کرنا چاہیں گے جو ایک اچھے مسلمان بھی ہوں اور جذبہ حب الوطنی

Marfat.com

سے بھی سرشار ہوں اور اچھے شہری بھی ہوں یہ تقریباً اس طرح کی اصطلاحات اس طرح کے نعرے اور اس طرح کی سٹیٹمنٹس اور بیانات ہمیں وہاں پہ ملتے ہیں لیکن حالت کیا ہے؟ وہ آپ سے اور مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، یعنی خالی مقاصد کے بارے میں بلند بانگ دعوے کر دینا ہی کافی نہیں ہے، عملی طور پر کام کرنا چاہیے اور یہ ہمیں جائزے سے پتہ چلے گا، یہاں مدرسے میں اساتذہ نے، انتظامیہ نے، مخیّر حضرات نے بھی سب نے بہت کوششیں کیں یہاں سے بہت اچھی کھیپ تیار کرنے کی کوشش کی لیکن پتہ چلا کہ وہ نہیں تیار ہو سکی تو اس سے پتہ چلا کہ جائزہ بنیادی طور پر اس بارے میں بتاتا ہے کہ جن مقاصد کا تعین کیا گیا تھا جو نصاب سازی کی گئی تھی جو طریقۂ تدریس اس نصاب کو آگے منتقل کرنے کے لیے بروئے کار لایا گیا تھا جائزے نے یہ ثابت کیا کہ یہ سارے کا سارا کالعدم ہو گیا تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ نظام تعلیم کے اندر جہاں پر مقاصد کی اہمیت ہے یعنی اس کو اگر ہم بنیاد مان لیں تو اس کے بعد جائزہ سب سے زیادہ اہم ہے یا اس کی حیثیت ایک ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے جتنے مقاصد ہیں انہیں دیکھنے کے لیے جائزہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہم یہ جو سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ شاید جائزہ صرف اور صرف امتحان کا نام ہے حالانکہ روزمرہ زندگی میں ہم روزانہ جائزے کے عمل سے گزر رہے ہوتے ہیں کبھی ہم اس کو حساب و کتاب کے زمرے میں لے آتے ہیں، کبھی کامیابی/ناکامی میں مثلاً ایک آدمی کاروبار کرتا ہے وہ روزانہ شام کو یا دوسرے تیسرے دن اندازہ لگا لیتا ہے کہ جو کچھ میں نے کام کیا ہے یا کر رہا ہوں اس میں مجھے کتنا نفع ہوگا، میری محنت اور دن رات کی تگ و دو کا کچھ فائدہ بھی ہوگا یا نہیں وہ اس کی ایک جانچ پڑتال کر لیتا ہے۔ یہ بھی جائزہ کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم دیکھ لیتا ہے کہ میں نے آج اتنے گھنٹے لگائے

Marfat.com

مجھے کون سا سبق یاد ہوا کون سا نہیں ہوا، ایک استاذ یہ دیکھ لیتا ہے کہ جو میں نے آج پڑھایا وہ طلباء کو کس حد تک سمجھ میں آیا حتی کہ خواتین بھی گھروں میں اپنے اپنے کام کا اندازہ کر لیتی ہیں کہ ہم نے اپنا کام کس حد تک مکمل کر لیا ہے۔

گویا جائزہ پوری زندگی یعنی بچپن سے بڑھاپے تک کے عمل میں کارفرما ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں جائزہ کا اطلاق خاص اصطلاحات کے اندر تعلیمی میدان میں کیا ہوتا ہے اور اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِن میں کون کون سے عوامل کارفرما ہیں۔

قرآن حکیم کے اندر بھی جائزے کی بات کی گئی ہے، سورۃ انبیاء میں ہے

(۱) ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلاتظلم نفس شيئا ، وان كان مثقال حبة من خرد ل اتينا بها۔

''اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ تو ہم لے آئیں گے اس کو''

(۲) والوزن يومئذ الحق فمن ثقلت موازينه فاولئك هم المفلحون

''اور تول اس دن ٹھیک ہوگی، پھر جس کو تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے''

(۳) ولنبلونكم بشئى من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصٰبرين۔

''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے، مالوں سے اور جانوں سے اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو''

یعنی کچھ آزمائش کی بات کی گئی ہے، ہم دیکھیں گے کہ ابتلاء اور آزمائش بھی جائزہ کی کچھ صورتیں ہیں اور اسی طرح سے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

Marfat.com

(۴) اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا (۵) ومال هذاالكتاب لايغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصها

یہ ہمیں بتاتی ہیں کہ جائزہ ہمیں یہ جاننے کا موقع دیتا ہے کہ ہم کس حد تک اپنی بات کو فالو کر پائے ہیں کس حد تک ہم اس کا ابلاغ کر پائے ہیں اور کہاں پہ اس کے اندر خامی رہ گئی ہے، مقاصد، نصاب اور طریقۂ تدریس میں ہم نے دیکھا کہ جائزے میں بچے کم پاس ہوئے اب ہمیں نصاب کے بارے میں چھان پھٹک کرنا پڑے گی کہ اس کے اندر جو جو چیزیں چاہیے تھیں وہ اس کے اندر ہیں بھی یا نہیں؟ فرض کریں ہم نے نصاب کے بارے میں جان لیا کہ یہ ٹھیک ہے پھر ہم دیکھیں گے کہ طریقۂ تدریس میں تو خامی نہیں رہ گئی؟ مثلاً ایک استاذ نے عوامل النحو پڑھائی تھی بعد میں بچے سے یہ کہا گیا کہ وہ فلاں جملے کی ترکیب صرفی ونحوی کرے لیکن وہ کچھ نہ کر پایا تو ہم یہ کہیں گے کہ کتابیں تو ٹھیک تھیں لیکن کیا بات ہے کہ یہ سمجھ نہیں پایا ہے؟ صرفی تحلیل، نحوی تحلیل بھی نہیں کر پایا اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ اس میں فعل کیا ہے، اور مصدر کیا ہے؟ کسی چیز کے بارے میں بھی پتہ نہیں ہے۔ تو ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ کہیں نہ کہیں کوئی خامی ہے اگر نصاب ٹھیک تھا تو پھر طریقۂ تدریس میں کہیں نہ کہیں خامی رہ گئی ہے تو پھر اس کا حل کیا ہوتا ہے کہ یہ استاذ محترم بڑے بجا سہی ان کا مقام ومرتبہ بہت اونچا سہی، بہت عالی ظرف اور عالی شان ہیں ان کی علمیت کے اوپر کوئی شک نہیں ہے لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ تدریس کے حوالے سے جو گفتگو کرنا ہوتی ہے وہ تھوڑا سا نیچے آ کے کرنا پڑتی ہے ہوسکتا ہے کہ اس استاذ کی بات کو طلباء حضرات صحیح طور پر سمجھ نہ پائے ہوں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کی جگہ فلاں استاذ محترم کو بدل دیا جائے یا یہ کہ ان سے طریقہ تدریس تبدیل کرنے کا یا ٹھیک کرنے کا کہہ دیا جائے۔ تو اس طرح ہم طریقۂ تدریس میں

Marfat.com

تبدیلی لاتے ہیں۔

اب یہ تبدیلی لانے کی ضرورت کیونکر محسوس ہوئی ؟ جبکہ استاذ کی علمیت پر شک نہیں ہے اس کو ایک مثال کی مدد سے واضح کرنا چاہوں گا۔ فرض کریں ایک بچہ نیچے والی منزل پر ہے آپ اوپر والی منزل پر ہیں اور اسے اشارے کر رہے ہیں کہ بیٹے اوپر آجاؤ جبکہ بچہ اوپر نہیں چڑھ سکتا تو کیا کریں گے؟ پہلے بچے کی سطح پہ نیچے آئیں گے پھر اس کی انگلی پکڑیں گے اور ایک قدم، دو قدم اس طرح لے کر چلیں گے اور اوپر لے کر جائیں گے اگر آپ اوپر کھڑے رہیں اور بچہ نیچے کھڑا رہے اور دونوں ایک دوسرے کو اشارے کرتے رہیں تو یہ منزل کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لے گی۔ بلکہ آپ کو نیچے آنا پڑے گا۔

اسی طرح استاذ محترم کا بہت اونچا مقام سہی لیکن اپنی بات کو بیان کرنے کے لیے اسے طریقۂ تدریس کو تھوڑا سا تبدیل کرنا ہوگا، بعض اوقات ایک بچہ بات کو سمجھ نہیں پا رہا ہوتا اسے دوسرے طریقے سے سمجھا دیا جائے اگر پھر بھی نہ سمجھے تو تیسرے طریقے سے، بعض اوقات اس کے لیے تدریسی معاونات کا استعمال کرتے ہیں جیسے کلرڈ چاک وغیرہ۔

مختلف چیزیں ہوتی ہیں جو طریقۂ تدریس میں استعمال ہوتی ہیں۔ انہیں استعمال کرتے ہوئے، یہ کوشش کرتے ہیں کہ بچے کو کسی نہ کسی طرح سمجھ آ ہی جائے، یہی ہمارا طریقۂ تدریس ہوتا ہے۔

جائزے سے ہی ان سب کے بارے میں کچھ پتہ چلتا ہے کہ ہمارا یہ نظام کامیاب ہوا یا نہیں؟ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ فرض کریں کسی مدرسے کے بچوں نے امتحان دیدیا اب ان میں سے ہم نے دیکھا کہ بیس پاس ہوگئے پوری کی پوری انتظامیہ حرکت میں آجائے گی یہ کیا ہوگیا پچھلی دفعہ تو ہمارا نتیجہ یہ تھا اس دفعہ

Marfat.com

یہ نتیجہ کیوں آ گیا؟ اس کے اوپر ساری کی ساری بحث و تمحیص ہونا اور اس کے بارے میں اعداد و شمار اکٹھا کرنا، یہ جاننے کی کوشش کرنا، تحقیق کرنا اور کھوج لگانا کہ کیا نصاب میں کوئی کمی تھی یا کوئی اضافی کتاب لگوائی تھی اور اس کتاب کی استعداد بچوں کی استعداد سے اونچی تھی اور معیار اونچا تھا یا اس دفعہ اساتذہ کو بدل دیا گیا تھا، ان سب خوبیوں اور خامیوں کا ہمیں جائزے سے ہی پتہ چلتا ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آئندہ ہمارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ جائزہ بذات خود کیا ہے؟

جائزہ کا عام مفہوم جانچ پڑتال کے معنی میں لیا جاتا ہے، لیکن جہاں تک اس کے اصطلاحی معنی کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلباء کے جو تعلیمی مقاصد تھے ان کو طلباء کس حد تک سمجھ پائے ہیں یہ جائزہ بتاتا ہے۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ جائزہ میں یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے پاس جتنے وسائل تھے ان کو بروئے کار لاتے ہوئے نصاب کو کس حد تک ان کے ذہنوں میں منتقل کر پائے ہیں۔

تیسری تعریف یہ کہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اس کو انہوں نے کہاں تک حاصل کر لیا ہے۔

اور ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ جائزہ ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ جس میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے مقاصد جو طے کیے تھے وہ کس حد تک پورے ہو رہے ہیں۔ جہاں کہیں بھی اس کی بات کی جائے گی دو چیزیں ہمیں وہاں ملیں گی، پہلی کیفیت اور دوسری کمیت، قدر و قیمت۔

Marfat.com

کیفیت اور کمیت کیا ہے؟

اگر ہم ان دونوں کو جان لیں گے تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ ہم کہنا کیا چاہ رہے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے تاکہ بات سمجھ میں آسکے آپ نے دو بچوں کو حفظ کے مدرسے میں داخل کیا سال کے بعد استاذ محترم نے بتایا کہ ایک بچے نے پندرہ پارے حفظ کر لیے ہیں جبکہ دوسرے بچے نے دس پارے حفظ کیے ہیں اب جس بچے نے پندرہ پارے حفظ کیے ہیں اس کو منزل یاد نہیں ہے جبکہ دس پاروں والے کو منزل اچھی یاد ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ کمیت کے اعتبار سے تو یہ زیادہ ہے کیفیت اس میں کم ہے، جبکہ دس پاروں والا کمیت کے اعتبار سے کم ہے لیکن کیفیت کے اعتبار سے یہ زیادہ ہے یعنی اس کی منزل اچھی ہے۔

بعض اوقات ہم اس کو ایک اور نام بھی دے دیتے ہیں، کوالٹی، اور کوانٹیٹی ہم یہ کہیں گے کہ اس کی کوالٹی تو ٹھیک ہے کوانٹیٹی ٹھیک نہیں ہے یعنی سپارے تو یاد ہیں لیکن ہیں کم، جبکہ دوسرے کے متعلق یہ کہیں گے کہ اس میں کوانٹیٹی تو ٹھیک ہے لیکن کوالٹی کم ہے۔ یعنی زیادہ سپارے حفظ کیے ہیں لیکن منزل یاد نہیں ہے۔

تو اب جائزہ کے لیے دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے یعنی پندرہ پارے ہوں اور پندرہ کے پندرہ یاد بھی ہونے چاہییں، اگر ایک چیز موجود ہے دوسری موجود نہیں ہے کہ بچہ پورے سال میں ایک پارہ یاد کرتا ہے کیا بات ہے؟ بچہ لحن داؤدی کے ساتھ سنا لیتا ہے اور نقص اور متشابہ کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اب آپ یہ اندازہ لگائیں گے کہ یہ بچہ تیس سالوں میں تیس پارے حفظ کرے گا، ہم کہیں گے کہ منزل تو بہت اچھی ہے یاد ہے یعنی کیفیت تو ٹھیک ہے لیکن کمیت ٹھیک نہیں

Marfat.com

ہے یعنی بہت ہی کم ہے۔ تو جائزے میں دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کیفیت اور کمیت دونوں ٹھیک ہوں وگرنہ جس چیز کو ہم حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں تو جائزہ یہ بتادیتا ہے کہ وہ ناکام ہورہا ہے۔

جائزے کے لیے جس وقت اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں تو یہ جائزہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم چلتے چلتے بچے کے متعلق کہہ دیں کہ ٹھیک ہے ہاں اگر کچھ اہل بصیرت ایسا کرلیں تو وہ ایک الگ بات ہے لیکن جو ایک تعلیمی نظام ہے وہ کچھ اور تقاضا کرتا ہے۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ جو کچھ ہم اسے دینا چاہ رہے ہیں وہ ایک خاص طریقے کے ساتھ اسے دیا جائے تو ان طریقوں کو ہم یہاں زیرِ بحث لائیں گے۔

اب دیکھتے ہیں کہ جائزے میں کیا کیا چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں؟

☆ سوال کرنا، یعنی کوئی بھی سوال ہو اور انہی سوالات کو ایک مربوط شکل میں ترتیب دے دیا جائے تو وہ ایک پرچہ، ایک ٹیسٹ یا ایک آزمائش کہلاتا ہے اسی کو الورق یا الورقہ کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض اوقات ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک سوال کردیا جاتا ہے دو کردیے جاتے ہیں، اس پر بات بعد میں ہوگی لیکن جس وقت ہم سوالات کا ایک مجموعہ بنادیتے ہیں اسے ایک پرچے کا نام دے دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر جب زیادہ سوالات کردیتے ہیں یعنی ایک پرچے میں فرض کریں پانچ سوالات دے دیے، حدیث کے پرچے میں پانچ اور اسی طرح فقہ کے پرچے میں پانچ سوالات دیدیے، تو جس وقت سوالات کا ایک مجموعہ ایک پرچے میں ہم نے دیدیا تو اس کو ہم اپنی زبان میں ایک آزمائش کہتے ہیں انگریزی میں اسے ٹیسٹ کہا جاتا ہے۔ ایک پرچہ ہے صرف کے پانچ سوالات کا دوسرا پرچہ ہے نحو کا، تیسرا پرچہ ہے اصول فقہ کا چوتھا پرچہ ہے فقہ کا اور پانچواں پرچہ حدیث کا اس طرح

Marfat.com

پانچ پانچ سوالات پر مشتمل پانچ پرچے تیار ہو گئے ، گویا اب یہ پانچ آمائشیں ہو تیار گئیں۔

آزمائشوں کا مجموعہ امتحان کہلاتا ہے (گویا پانچ آزمائشوں کا یہ مجموعہ امتحان کہلائے گا) اس کے بعد ممتحن یہ الگ الگ پرچے چیک کر کے نمبر لگاتا ہے، فرض کریں صرف میں ایک لڑکے نے ۵۰ نمبر نحو میں ۷۰ نمبر، اصول فقہ میں ۶۰ نمبر حدیث میں ۴۰ اور فقہ میں ۷۰ نمبر حاصل کیے۔ یہ عمل کیا ہے؟ یہ عمل پیمائش کہلاتا ہے۔ ہم نے ۱۰۰ نمبر کا پرچہ دیا تھا تو ممتحن نے چیک کرنے کے بعد بتادیا کہ اس لڑکے نے اتنے اتنے نمبر حاصل کئے ہیں یعنی اس کی پیمائش ہوئی ہے، اسے انگریزی میں مییر منٹ (Measurement) کہا جاتا ہے۔ لیکن اس سے ہمیں یہ پتہ نہیں چل رہا کہ یہ لڑکا فیل ہے یا پاس ہے، یا اس کا درجہ کیا ہے، ممتاز ہے یا جید یا راسب اب اس کے لیے ہم الگ الگ گریڈ میں تقسیم کرتے ہیں مثلاً ۵۰ نمبر والے پرچے میں اسے سی گریڈ ملا، ۷۰ نمبر والے میں بی پلس گریڈ، ۶۰ نمبر والے میں بی گریڈ، ۴۰ نمبر والے میں ڈی گریڈ اور ایسے ہی ۸۰ والے کو ہم اے گریڈ دے دیتے ہیں۔

اب یہ ہم نے اس کی درجہ بندی کردی ہے تو اس کو ہم جانچ یا تخمینہ لگانا اندازہ لگانا کہہ دیتے ہیں اس سے ہمیں یہ تو پتہ چلا کہ کس پرچے میں اس نے کون سا درجہ حاصل کیا ہے تو جس وقت ہم عددی قیمت سے نکل کر مقداری قیمت میں چلے جائیں تو اس وقت وہی پیمائش جانچ کہلانے لگتی ہے لیکن اس جانچ کے بعد بھی ایک ابہام رہ جاتا ہے کہ اب ہم نتیجے کے ساتھ کیا لکھیں کہ یہ لڑکا کیا ہوا ہے؟ فیل ہوا ہے؟ یا پاس ہوا ہے؟ پاس ہوا ہے تو کس درجہ میں پاس ہوا ہے، اس کے لیے ہم اس کے تمام نمبرز کو اکٹھا کر کے اسے کل پرچوں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور ایوریج نکال

Marfat.com

لیتے ہیں جیسے مذکورہ پانچ پرچوں کے نمبروں کو ہم نے کیا تو وہ ۳۰۰ ہوئے اور انہیں پانچ پر تقسیم کرنے سے ۶۰ جواب آیا یعنی ۶۰ فیصد تو یہ فرسٹ ڈویژن ہے یعنی بی گریڈ ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ بچہ ۶۰ فیصد نمبر لے کر فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا ہے تو یہ عمل جائزہ کہلاتا ہے۔

اب اس میں ایک اور چیز بھی ہے کہ ہم نے کلاس کا رزلٹ بنایا کہ فلاں بچے نے ۸۰ فیصد نمبر حاصل کر کے کلاس میں فرسٹ پوزیشن حاصل کر لی ہے تو یہ کس میں آئے گا؟ یعنی یہ میپر منٹ میں آئے گا یا اسیس منٹ میں آئے گا؟ تو یہ جائزے میں آئے گا۔ یعنی یہ جائزہ بتاتا ہے کہ اس پورے گروپ میں اس بچے کی پوزیشن کیا ہے جس گروپ میں اس نے امتحان دیا ہے تو اس ساری گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ کبھی ہم کلاس میں سوال کر لیتے ہیں پھر ہم سوالات کا ایک مجموعہ تیار کرتے ہیں جو آزمائش کہلاتا ہے اور آزمائشوں کا مجموعہ امتحان کہلاتا ہے، امتحان کے بعد ممتحن چیکنگ کرتا ہے اس کے نتیجے میں میپر منٹ ہوتی ہے اس کے بعد اس کی درجہ بندی کر دی اس کے بعد اس کا رزلٹ جو نکلتا ہے اسے ہم جائزے کا نام دیتے ہیں اس میں ایک اور چیز کا بھی اضافہ کرتا چلوں کہ بعض جگہ پر یہ بھی ہمارے سامنے بات آئی ہے اس سب کوانٹیٹی کی بنیاد پر کوالٹی کو حاصل کیا گیا ہے کہ ہمارے پاس نمبر موجود تھے تو ہم نے کہا کہ چالیس سے انچاس تک جو نمبر لیں گے وہ ڈی گریڈ میں چلے جائیں گے، جو ۵۰ سے ۵۹ تک نمبر لیں گے وہ سی گریڈ میں چلے جائیں گے اسی طرح ۶۰ سے آگے اسی طریقے پر دیکھا جا سکتا ہے یہ ہم نے کوانٹیٹی کی بنیاد پر کوالٹی کو حاصل کیا ہے۔ لیکن بذات خود یہ کوالٹی نہیں ہے اسے کوالٹی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کچھ ایسے ادارے ہوتے ہیں کہ ان کے نمبرز کوئی اور لگاتا ہے، مثال کے طور پر پراگراس رپورٹ کچھ

Marfat.com

اداروں کی آپ نے دیکھی ہوگی اس میں یہ دیکھتے ہیں کہ کیا بچہ روز آتا رہا ہے؟ اس کی حاضریاں کتنی ہیں؟ یہ ریگولر تھا یعنی روزانہ آتا تھا اس کا اساتذہ کے ساتھ سلوک کیسا تھا یعنی اس کی باقاعدگی کو بھی ہم نے دیکھا اور اس کو وقت پر پہنچنے کو دیکھ لیا پھر اس کے رویے کو بھی دیکھا یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہر ایک اپنے اپنے مطمع نظر کے مطابق اپنے سلوک کے لحاظ سے نمبر لگا دیتا ہے، یہ نمبر جو ہوں گے یہ کوالٹی کے ہوں گے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک استاذ کا تو وہ بہت مؤدب اور تابع دار ہو، لیکن دوسرے نے کسی وجہ سے اسے پرچے میں نمبر کم دیے یا اس کے ساتھ اس کا رویہ ایسا ہو تو اب دونوں کے نمبر میں ہم کیسے فرق محسوس کرتے ہیں کہ کوالٹی کے ہیں یا کوانٹیٹی کے ہیں؟

کوانٹیٹی کی بات جہاں پر چلتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ یہ پیپر یہ سوال یہ سٹیٹمنٹ یہ بیان کسی کے آگے بھی رکھ دیا جائے جتنی مرضی وہ کوشش کر لے اگر انصاف کے تقاضوں کے اوپر وہ پورا چلے گا تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ اس کے نمبر کم کر دے یا زیادہ کر دے۔

اور اس طرح کی مثالیں ہمارے سامنے ـــــــ ٹیسٹ ایٹم کی ڈویلپمنٹ کے اندر ہم دیکھتے ہیں، فرض کریں کہ ہم یہ کہہ لیں کہ حافظ ابن حجر نے جو بخاری کی شرح لکھی اس کا نام ــــــــ ہے۔ اب جو بچہ بھی اس کا صحیح جواب دے گا ایک نمبر ہے، جتنا مرضی ممتحن کوشش کرے وہ کاٹ نہیں سکتا، مدرسہ میں پہلی کلاس میں اصول فقہ کی پڑھائی جانے والی کتاب کا نام .... ہے۔ (اصول الشاشی، نورالانوار، توضیح تلویح،) تو کیا ہوگا اگر بچہ اصول الشاشی لکھ دیتا ہے تو کوئی بھی اس کے نمبر نہیں کاٹ سکتا یعنی یہ ایسی اسیس منٹ ہوتی ہے کہ جس کے نمبر کسی طرح سے بھی کوئی بھی استاذ جتنا بھی بچے سے بغض رکھتا ہو، تعصب کا

Marfat.com

مظاہرہ کرے، (یہ الفاظ سمجھانے کے لیے ہیں وگرنہ استاذ ایسا نہیں ہوتا) وہ اس کے نمبر نہیں کاٹ سکتا،

تو ایسی اسیس منٹ کے نمبر معروضی ہوتے ہیں کہیں بھی ان کے کاٹے جانے کا امکان نہیں ہوتا۔

اسیس منٹ کے اندر استاذ اپنے نمبر سٹوڈنٹ کے اسلوب کے نمبر مثلاً ڈی ایم جی گروپ کے لوگ ہوتے ہیں وہ دوران ٹریننگ جہاں بھی رہتے ہیں، مثلاً کسی ہاسٹل کے اندر رہے، ہاسٹل میں ان کا جورویہ ہوتا ہے ان لوگوں کے ساتھ اساتذہ کے ساتھ، ملازمین کے ساتھ، یا ان کے جو متعلقہ کار ہوتے ہیں ان کے ساتھ وہ رویہ یہ ساری کی ساری چیزیں بھی اس میں شامل کردی جاتی ہیں، اس کے بعد اس کا جائزہ بنادیا جاتا ہے، لیکن مدارس میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، اس لیے ان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اب جائزہ کی بذات خود اقسام ہوتی ہیں ایک انفرادی، ایک نصابی ہوتی ہے، ہمارا تعلق نصابی جائزہ سے ہے۔

نصابی جائزہ کیسے لیتے ہیں؟ اب جائزہ نصابی کے اندر دو اقسام ہیں

(۱) رسمی جائزہ (۲) تکمیلی جائزہ

جائزہ میں بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے جو ترقی کا باعث بنتا ہے یعنی ایک کلاس سے دوسری کلاس میں اضافے کا سبب بنتا ہے ایسے ہی نصاب کی ترقی کا باعث بھی بنتا ہے، اب رسمی جائزہ اور تکمیلی جائزہ پر بات کرتے ہیں۔

تکمیلی جائزہ:

تکمیلی جائزہ تو وہی ہوتا ہے جو ابھی بیان ہوا جس میں ہم تمام مراحل سے گزر کر اس کا حتمی نتیجہ نکال دیتے ہیں اور اس کو تکمیلی جائزہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

رسمی جائزہ:

اور رسمی جائزہ وہ ہوتا ہے جو ہر لمحے ہر آدمی کر رہا ہوتا ہے، کلاس میں استاذ پڑھاتے ہوئے جب بھی کوئی چیز بیان کر رہا ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنا جائزہ لے رہا ہوتا ہے، اس میں اعادہ اور جائزہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔

اعادہ کی بھی دو قسمیں ہیں

(۱) جزوی اعادہ (۲) کلی اعادہ

مثلاً عربی میں عموماً فعل پہلے آتا ہے کتب زید، زید نے لکھا

استاذ نے یہ سب بتادیا کہ عربی جملے میں پہلے فعل اور پھر فاعل آتا ہے اور اس کی کافی ساری مثالیں دینے کے بعد استاذ اس کے متعلق کسی طالب علم سے سوال کرتا ہے کہ کتب زید میں فعل کیا ہے؟ تو یہ ایک چیز کے متعلق استاذ نے پوچھا ہے اب اس کے بعد استاذ نے فاعل کی اور مفعول کی پہچان کرادی اب تین چیزیں پڑھانے کے بعد پوچھنا کلی اعادہ کہلاتا ہے۔ اب اس کے بعد کلاس کے ختم ہونے پر اس کی سمری اپنے سوالات کی شکل میں طلباء سے پوچھتے ہیں آخری بیانات یا حتمی بیانات اس میں ہم ساری چیزوں کے متعلق تھوڑا تھوڑا پوچھتے ہیں تو یہ رسمی جائزہ کہلاتا ہے، اس میں کچھ تبدیلی یا تقابل بھی استاذ لے آتا ہے۔

ہر استاذ یہ رسمی جائزہ اپنی اپنی کلاس میں لیتا رہتا ہے اور یہ ایک اچھے اور قابل استاذ ہونے کی نشانی ہے۔

کہ وہ پوری کلاس کو ساتھ ساتھ لے کر چلے ان کا اعادہ اور جائزہ لیتا رہے، جیسے میرے ایک استاذ اپنے سبق کے بعد فرماتے تھے کہ اب اس کے بعد گھر میں جا کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں یعنی جو کچھ اس موضوع کے مطابق تھا وہ سب میں نے

Marfat.com

بیان کردیا۔

اب جائزہ کی بات ہو یا اعادہ کی تو ہم یہ کہتے ہیں اس نے ٹیسٹ بنالیا اب اسمیں ہم نے دیکھنا ہے کہ ٹیسٹ اگر ایک کلاس کو دیا جائے تو اس کا رزلٹ کچھ اور ہو اور دوسری کلاس کو دیا جائے تو اس کا رزلٹ کچھ اور نکلے اور پھر اسی کلاس کو دیا جائے تو اس کا رزلٹ کچھ اور ہو، اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیسٹ بھی ایسا ہونا چاہیے جس کے اندر موزونیت اور صحت یعنی ویلیڈیٹی بھی ہو یعنی صحیح طور پر ہونا چاہیے، اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر اعتمادیت بھی ہونی چاہیے یعنی کسی بھی بچے کو دیدیا جائے تو ایک ہی طرح سے ان کا نتیجہ ہمارے سامنے آنا چاہیے۔

اس کی مثال عام طور پر یوں سمجھی جاتی ہے جیسے آپ سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس فرش کو دونوں دیواروں کے درمیان رسی سے ماپیں تو ایک آدمی نے تھوڑی لمبی رسی سے پیائش کی دوسرے نے ذرا لمبی رسی استعمال کی تو ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ یہ ہمیں بتادیں کہ یہ ۱۵ میٹر ہے اور دوسرے نے دوسری دفعہ ماپنے کے بعد بتایا کہ یہ تو ۱۶ میٹر ہے کیونکہ اس نے ذرا بڑی رسی استعمال کی تھی جبکہ تیسرے نے کچھ اور پیائش بتادی اب اس کی اعتمادیت صرف اس صورت میں بحال ہوسکتی ہے کہ ایک میٹر جو سٹینڈرڈ ہے وہ آپ لے لیں جب بھی آپ ماپیں گے خواہ سردیوں کے موسم میں یا گرمیوں میں، استاذ ماپے یا شاگرد، مرد ماپے یا خاتون، دیہاتی ماپے یا شہری، رزلٹ ہمیشہ ایک جیسا آئے گا، تو اسی طرح یہ ٹیسٹ جو ڈویلپ کیے جاتے ہیں اگر یہ سٹینڈرائزڈ ہوجائیں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک ٹیچر کچھ نمبر دیدے اور دوسرا کچھ اور نمبر دیدے، جب بھی یہ نمبر دیں گے کوئی بھی حالات درپیش ہوں نمبر ہمیشہ ایک جیسے ہی آئیں گے۔

Marfat.com

اب اس کا مختصر ساخاکہ دوبارہ سنیں:

پہلے تعلیمی نفسیات پھر اس چائلڈ سائیکالوجی میں کہاں کہاں پہ استعمال ہوتا ہے۔ پھر نظام تعلیم کے اجزا پر بات ہوئی یعنی مقاصد، نصاب، طریقۂ تدریس، جائزہ۔

پھر جائزہ کی اقسام، سوال، آزمائش، اسیس منٹ اور جائزہ پر بات ہوئی میں نے کہا کہ ایک سوال غیر رسمی کہلائے گا یہ جائزہ نہیں کہلاتا ہے سوالات کا مجموعہ ایک آزمائش کہلاتا ہے، آزمائشوں کے مجموعے کو امتحان کہتے ہیں، امتحان میں عددی طور پر نمبر لگانا میئر منٹ کہلاتا ہے، اس کے بعد اس کی پوزیشن کا تعین جائزہ کہلاتا ہے، جائزے کی دو اقسام بیان ہوئیں، رسمی جائزہ، اور تکمیلی جائزہ، یعنی کلاس کے اختتام پر سوال و جواب رسمی جائزہ اور سال کے بعد امتحان تکمیلی جائزہ کہلاتا ہے۔

اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ہے چونکہ سوالات کی سمجھ نہیں آ رہی اس لیے جواب لکھنے کا فائدہ نہیں ہے۔

اگر تمام چیزیں ہم ایک جیسی فرض کرلیں تو رزلٹ ایک جیسا آئے گا لیکن چونکہ تنوع بذات خود قدرت کے اندر موجود ہے اس لیے نتیجہ بھی مختلف ہوتا ہے، کیونکہ اس میں دلچسپی، عمر کا فرق ہوتا ہے، حافظہ مختلف ہوتا ہے، توجہ کا فرق ہوتا ہے، اس میں امتحان کے بارے میں ماہرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ماحول جو بچے کو ملا ہے وہ امتحان والا تھا بھی یا نہیں تھا یا بچے کو گھریلو حالات کا بھی اس میں اثر ہوتا ہے، یہ انفرادی اختلافات ہوتے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے علاوہ کچھ اور عوامل بھی ہیں جن پر معاشرتی عوامل کے تحت بحث ہوگی،

Marfat.com

اختتامی ہدایات:

پرچے کو معروضی بنانے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں لکھنے کی استعداد ناپید ہوتی جارہی ہے، تقابل نہیں کرسکتا، مافی الضمیر کو بیان کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے وہ کوئی مضمون یا پیراگراف لکھنے کے قابل نہیں رہتا۔

اسی طرح موضوعاتی طریقہ میں ایک ہی سوال پوچھ لیتے ہیں اس کے اجزاء نہیں بناتے ،صرف یہ لکھ دیا کہ فلاں چیز پر نوٹ لکھیں، تو اس میں ہر ایک مختلف لکھے گا لیکن اس کے اگر اجزاء بیان کردیے جائیں اور انسے ساتھ ساتھ محدود کردیں کہ اس میں یہ چیزیں بھی لے کر آنی ہیں اور اس کے الگ الگ نمبر بھی اوپر لکھ دیں۔

تو اس سے زیادہ بہتر طریقے سے موضوع کا احاطہ ہوسکتا ہے، اور ساری کی ساری چیزیں اس میں آسکتی ہیں اس میں بچے کو یہ بھی پتہ ہوتا ہے اور مارکنگ بھی آسان ہوتی ہے لیکن ایسا پرچہ بنانا مشکل ہوتا ہے، جیسے صحاح ستہ کے مصنفین کے نام، ان کی تاریخ پیدائش و وفات اور حالات لکھیں اور اس کے آگے ان کی نمبرنگ بھی کردیں، تو اس طرح اسے سب پر لکھنا پڑے گا، ایسے ہی جنگ آزادی پر نوٹ لکھنے کی بجائے اس کے اسباب، واقعات اور نتائج لکھیں، تو اس طرح طالب علم کے لیے لکھنا اور ممتحن کے لیے چیک کرنا آسان ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ اور کہیں کوئی ایک آدھ نمبر آگے پیچھے بھی ہوجائے تو مجموعی نمبروں پر اس کا خاص اثر نہیں پڑے گا۔ ہاں ۱۰ نمبر کا سوال ہے تو اس کے کم از کم دو جزو ضرور بنانے چاہییں، تین یا چار جزو کردیں تو یہ نور علی نور ہے

اس طرح بچے کی معلومات کی اچھی طرح چیک کیا جاسکتا ہے اس کا لکھنے کا انداز، مافی الضمیر کو بیان کرنے کا طریقہ اور اس کی معلومات بالکل واضح طریقے سے ہمارے پاس آجاتی ہیں اور اس کا صحیح انداز بھی ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

فقہی مسالک کا اختلاف
نوعیت
اور
اسباب و علل

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب

تاریخ: 14-02-2010

بمقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واھل بیتہٖ اجمعین ☆ من یرضا ھذا الیٰ یوم الدین ☆رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی. صَدق اللہ العظیم

میں سب سے پہلے دارالعلوم کے مہتمم برادرعزیز مولانا مشرف علی تھانوی کا، اوران کے اور اپنے برادرعزیز قاری احمد میاں تھانوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ میں اہلِ علم کی مجلس میں آؤں اور بات بھی کروں۔ یہاں حاضری کی تو خوشی ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں جو اہل علم آئے ہوئے ہیں اورانہوں نے مختلف موضوعات پر جوگفتگو کی ہے میں وہ نہیں سن سکا۔

کل گزشتہ میری مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ میری حاضری ممکن نہ ہوسکی۔ اس علمی مجلس کا علم بھی مجھے لاہور آکر ہوا۔ قاری احمد میاں نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ میں بھی اس علمی مذاکرے اور گفتگو میں شریک ہوں۔

پہلی بات تو یہ کہ میری حیثیت ایک طالب علم کی ہے۔ کوئی جاننے اور دیکھنے والا سوچے کہ اب طالب علم کی کون سی عمر ہے، تو اس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ رسمی طالب علم کے لئے تو نوجوان ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی واقعتاً طالب علم ہے تو اس کے لئے جوان ہونا شرط نہیں ہے۔ وہ تو ”من المھد الی اللحد“ کی بات ہے۔ اللہ کا کرم ہے، اور بزرگوں کی، اساتذہ کی دعائیں ہیں اسی پر عمل پیرا ہوں۔

قاری احمد میاں صاحب سے گفتگو میں کئی موضوع زیر بحث آئے، جس موضوع پر اتفاق ہوا وہ مشکل بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ اس پر اہلِ علم کم گفتگو کرتے

Marfat.com

ہیں، جو ہمارے دینی مدارس ہیں، وہاں بھی طلبہ کو اس موضوع کے حوالہ سے بنیادی باتیں نہیں بتائی جاتیں۔ موضوع یہ طے ہوا کہ: ”فقہی مسالک کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی نوعیت اور اسباب وعلل پر بات کی جائے“۔

ناچیز کو ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے وابستگی کے دوران جو بہت بڑا فائدہ ہوا وہ یہ کہ دنیا میں اہل سنت والجماعت کے رائج چاروں فقہی مسالک کے مطالعے کا موقع ملا۔ بلکہ ان مسالک کا بھی مطالعہ کیا جو مقبول نہ ہوسکے جیسے لیث بن سعد، اوزاعی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور طبری کے فقہی مسالک، اہلِ علم نے اسباب وعلل سے بحث کی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان فقہاء اور مجتہدین کو وہ تلامذہ میسر نہ آسکے جو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کو میسر آئے۔ امام شافعیؒ نے تو یہ بات صرف لیث بن سعد کے بارے میں کہی۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ: لیث بن سعد، مالک بن انس سے بڑے فقیہ اور مجتہد تھے مگر ان کو ویسے تلامذہ نہ مل سکے جیسے مالک کو ملے۔

امام اوزاعی کا مسلک شمالی مغربی افریقہ میں پھیلا، یعنی لیبیا، تیونس، مراکش اور الجزائر میں۔ مگر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا، امام مالک بن انس کے نامور تلامذہ ان علاقوں میں پہنچے اور فقہ مالک، فقہ اوزاعی پر غالب آگیا، اور آج تک ان تمام علاقوں میں فقہ مالک کا غلبہ ہے۔

جب تمام فقہی مسالک اور ان کے اصولِ اجتہاد کا مطالعہ کیا تو پھر اس بات کا بھی کھوج لگانا پڑا کہ جب ہر فقیہ اور مجتہد یہ کہہ رہا ہے کہ اجتہاد وقیاس کے اولین اور بنیادی مصادر ومراجع قرآن اور سنت ہیں، تو پھر بعض مسائل میں اختلافِ رائے کہاں ہوتا ہے۔؟ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب امام طحاوی کی ہے ”اختلاف الفقہاء“۔ اس کا مطالعہ کیا۔ شاطبی اور ابن قیم کو پڑھا، دماغ کی

Marfat.com

کھڑکیاں کھلیں۔شاہ ولی اللہ تک بات پہنچی۔

آپ حضرات کی اجازت سے کہتا ہوں کہ برصغیر میں اجتہاد اور تقلید کے موضوع پر نامور اور مستند علماء نے لکھا۔ ان میں سرفہرست ہیں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، قاری محمد طیب قاسمی، میرے والد مولانا محمد ادریس کاندھلوی، اور مولانا خیر محمد جالندھری۔ (اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)۔مگر شاہ ولی اللہ نے جس مدلل، محکم، عقلی اور غیر جانبدارانہ طریقے سے اس موضوع پر لکھا، اور تجزیہ کیا، کوئی بھی نہ کرسکا۔ حالانکہ سب وہ حضرات تھے جو ان کے خوشہ چیں تھے۔اور پھر شاہ صاحب نے موضوع کے تحلیل و تجزیے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ عقلی انداز سے ایک ایسا نتیجہ اور فیصلہ صادر کیا جو ہر طالب علم کے لئے دلیلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں صرف حافظ محمد سعد صدیقی اور مولانا فضل الرحیم صاحب کی گفتگو سن سکا ہوں۔دونوں نے بہت خوب صورت باتیں کیں۔مجلس کا جو موضوع ہے اور جو مقاصد ہیں اس کے عین مطابق تھیں۔ سعد صدیقی نے پابندی وقت کی بات کی، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مثال دی، ان کا تو بہت اونچا مقام تھا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ گذشتہ صدی میں برصغیر نے اُن جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔

تعلّی اور تفاخر کا کوئی شائبہ نہیں، انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اختلافِ مسالک سے بلند ہو کر سب کو پڑھا، مسلسل پڑھتا ہوں، اُن حضرات کو بھی پڑھتا ہوں جن کی تحریریں اختلافِ مسالک سے بھی آگے بڑھیں۔ اسلاف کے مسلمہ افکار و نظریات سے انہوں نے انحراف کیا، ان کی تحریریں بھی بہت غور و خوض کے ساتھ پڑھیں، یہ سارے مراحل طے کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلامی علوم کی جتنی رسائی، برصغیر کے مسلمانوں تک اشرف علی تھانویؒ کے

Marfat.com

ذریعے ہوئی، کسی کے ذریعے نہیں ہوسکی۔

سعد صدیقی نے اپنے گھر میں پابندیِ وقت دیکھی، اُن کے والد اور میرے برادر محترم مولانا محمد مالک، پابندی وقت کا بہت خیال رکھتے تھے، چار بچوں کی شادیاں اپنی زندگی میں کیں، دس بجے مہمان کھانا کھا کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، ناچیز کا حال بھی یہی ہے، حکیم سعید مرحوم سے ۳۵ برس میرا تعلق رہا، میں نے اُنہیں کبھی ایک منٹ بھی لیٹ ہوتے نہیں دیکھا۔

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ نے جن اعمال کی ادائیگی کا ہمیں حکم دیا ان میں بھی وقت کی پابندی کو ضروری قرار دیا۔ نماز کو دیکھ لیجئے۔ وقت شروع ہونے سے پہلے ادا کریں تو ادا نہیں ہوگی، مؤخر ہوگی تو حکم بدل جائے گا، قضاء کہلائے گی، روزہ، غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی افطار کردیں گے تو ضائع ہوجائے گا۔ اکثر لوگوں نے وقت کی پابندی کو ایک فضول سی بات سمجھ لیا ہے، تقریبات میں جس طرح وقت کو ضائع کیا جاتا ہے وہ افسوس ناک بات ہے، بہرکیف مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ اس علمی مجلس کا اہتمام کرنے والوں نے پابندی وقت کی اہمیت محسوس کی۔ ورنہ اب تو صورتِ حال یہاں تک پہنچ گئی کہ میرے کئی بے تکلف احباب مجھ سے کہتے ہیں کہ: تمہیں تو وقت کی پابندی کا مالیخولیا ہوگیا ہے۔ گویا ان کی نظر میں یہ ایک بیماری ہے۔

عزیزم سعد صدیقی نے ایک دوسری بات کہی، وہ بھی بہت اہم ہے، وہ ہے ''مدارجِ کتب کی'' دینی مدارس میں طلبہ کو اس سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ یہ بات میں اس وقت سے کہہ رہا ہوں جب میں خود رسمی طالب علم تھا۔ ایک ہی موضوع پر کئی کئی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن طلبہ کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ ان میں فرق کیا ہے۔ یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ کتاب کے موضوع، منہج اور مندرجات کا مکمل

Marfat.com

تعارف ہونا چاہیئے ۔ کتاب کے مؤلف و مصنف کا بھی تعارف نہیں کرایا جاتا ۔ میرے اپنے علم اور تجربے کی بات ہے کہ ''جلالین'' پڑھنے والے بعض طلبہ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ کتاب کو ''جلالین'' کیوں کہتے ہیں۔

میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ طلبہ کو جو پڑھا رہے ہیں اس کے موضوع، منہج اور اہمیت کے تعارف کا کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ بہت پرانی بات نہیں، آپ حضرات میں سے اکثر جانتے ہوں گے کہ ۲۰۰۱ء میں ''مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدائی مرحلے میں تین ماڈل دارالعلوم قائم کئے گئے ۔ اُن کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مروجہ عصری علوم کے ساتھ دینی علوم بھی پڑھائے جائیں۔ ملک کے معروف وممتاز ماہر تعلیم ڈاکٹر ایس ایم زمان کو پہلا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ان کا انتظامی تجربہ بھی بہت وسیع ہے بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے سربراہ رہے۔ بے حد دیانت دار اور معاملہ فہم انسان ہیں۔ ناچیز کو رابطہ افسر اور عملاً چیئرمین کا معین ومددگار بنایا۔ اسلام آباد میں جو ماڈل دارالعلوم قائم ہوا، وہ طالبات کا ہے۔ پہلے پرنسپل کا چارج بھی ناچیز کو دیا گیا۔ اس میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ کی کہ چٹ اور سفارش پر کسی معلّمہ (ٹیچر) کا تقرر نہیں کیا۔ اسناد پر بھی بھروسہ نہیں کیا، درخواست دینے والی خواتین کے تحریری ٹیسٹ لئے گئے، انٹرویو بھی لئے۔ غرض یہ کہ پوری چھان پھٹک کے بعد تدریسی عملے کا تقرر عمل میں آیا۔ یہاں ایک بات یہ بھی بتادوں کہ دینی علوم سے درسِ نظامی، یا درسِ نظامی جیسا کوئی نصاب مراد نہیں ہے۔ اسلامی علوم پر مختلف زبانوں میں بحمد اللہ اتنی کتابیں شائع ہوچکی ہیں کہ ان کے ذریعے نہ صرف یہ کہ آدمی، بہترین ''دین دار'' بن سکتا ہے بلکہ اسلامی علوم کا ماہر بھی بن سکتا ہے، اور لوگ بن رہے ہیں۔

ماڈل دارالعلوم اسلام آباد، برائے طالبات میں جب تعلیم وتدریس کے

Marfat.com

آغاز کا مرحلہ آیا تو میں نے ان معلمات کے ساتھ میٹنگ کی، جن میں دینی علوم پڑھانے تھے۔ میں نے ان سے یہ بات کہی کہ: دیکھیے۔ جو ٹیچر علوم القرآن پڑھائے گی، وہ پندرہ دن تک بچیوں کو یہ بتائے گی کہ قرآن کی حیثیت کیا ہے؟۔ قرآن کا نزول کیسے ہوا ؟ قرآن کا موضوع کیا ہے؟ مقاصد کیا ہیں۔؟ ہم سے مطالبہ کیا ہے۔؟ یہ ساری باتیں بتانے کے بعد کتاب شروع کرانی ہوگی۔ اور طالبات کو صرف زبانی ہی نہیں بتایا جائے گا۔ آپ انہیں لکھوائیں گی۔ وہ ساری بنیادی باتیں، اپنے پاس تحریری شکل میں محفوظ کریں گی"۔ معلمات کہنے لگیں۔ سر! اتنی بنیادی باتیں تو ہمارے پاس تحریری صورت میں موجود نہیں، ہم بچیوں کو کیسے لکھوائیں۔؟ میں نے کہا: آپ اس کی فکر نہ کریں، قرآن، حدیث، سیرت اور فقہ، ان چاروں مضامین کی تمام بنیادی باتیں نوٹس کی شکل میں آپ کو مہیا کروں گا۔ پہلے آپ ان کا خود مطالعہ کریں، کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے، مجھ سے پوچھ لیں۔ پھر طالبات کو نوٹ کرائیں۔ قرآن کے بارے میں، حدیث کے بارے میں سیرت اور فقہ کے بارے میں۔ جب یہ مشق ختم ہوجائے تو پھر کتاب پڑھانا شروع کریں۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اور پھر چھ ماہ کے بعد جب پہلا امتحان ہوا تو اس محنت اور طریقِ کار کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ دینی علوم میں طالبات کے پاس ہونے کا اوسط ترانوے فیصد تھا اور عصری علوم میں تریسٹھ فی صد۔ تعلیم و تدریس کی یہ ابتداء چھٹی جماعت سے کی گئی تھی۔ اس سے بڑھ کر جو بات سامنے آئی، وہ یہ تھی کہ ساتویں جماعت کی طالبات نے مطالبہ کیا کہ: سیرت میں جو کتاب ہے وہ مختصر ہے۔ ہم نے تین مہینے میں پڑھ لی۔ چھوٹی سی ایک اور کتاب نصاب میں شامل کر دیں۔

اس نصابِ تعلیم کی دینی مدارس کی تنظیموں نے بھی مخالفت کی۔ مگر عملاً اس پروگرام کو جو نقصان پہنچایا وہ وزارت مذہبی امور کا شرم ناک کارنامہ ہے۔ وزارت

Marfat.com

مذہبی امور کو اپنی نااہلی اور بھرپور بدنیتی کا مظاہرہ کرنے کا موقعہ اس لئے ملا کہ بورڈ کی انتظامی وزارت وہی تھی۔ اور نتیجتاً مجھے اور مجھ جیسے افراد کو علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔

ممکن ہے۔ آپ میں سے بعض حضرات اکتارہے ہوں کہ اس شخص کو جو موضوع دیا گیا تھا اس پر ابھی تک کوئی بات نہیں کی۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھا رکھا ہے۔ سو ایسا بھی نہیں ہے۔ میں نے یہاں آنے کے بعد جو چند باتیں سنی تھیں، اُنہی کو آگے بڑھایا ہے۔ اور دانستہ اس لئے بڑھایا ہے کہ میں اِن سارے مراحل سے گزر چکا ہوں۔ پڑھی پڑھائی اور سنی سنائی باتیں نہیں۔ یہ سب میرے تجربات و مشاہدات ہیں۔ دارالعلوم کے سبھی اربابِ حل وعقد اس بات سے واقف ہیں کہ اس فقیر نے آزمائشوں کے کتنے جزیروں کی خاک چھانی ہے وہ عمر میں اپنے سے چھوٹوں کو سناتا رہتا ہوں۔

آیئے۔ اب براہ راست موضوع کی بات کرتے ہیں:

فقہ کا ایک طالبِ علم، جب فقہاء اور مجتہدین کی آراء اور اُن کے اجتہادات پر نظر ڈالتا ہے ان کا مطالعہ کرتا ہے، تو اس کے سامنے یہ بات سوالیہ نشان بن کر اُبھرتی ہے کہ: جب فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے استدلال اور استخراج مسائل کا بنیادی مأخذ مصدر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہے تو پھر اُن کی آراء اور اجتہادات میں مختلف مواقع پر اختلاف کیوں ہے۔؟ ایک مسئلے میں ایک امام اور مجتہد کی ایک رائے ہے اور اُسی مسئلے میں دوسرے امام یا ائمہ کی آراء، اس سے مختلف ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔؟ اس کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ یہ مسئلہ یقیناً وضاحت طلب ہے۔ اب سے کم وبیش پچیس برس پہلے جب میں نے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہاد پر لکھنا شروع کیا اور بعض مسائل میں ان کے اختلافِ آراء کو دیکھا تو

Marfat.com

ذہن اسی طرف گیا کہ اس اختلافِ آراء کے اسباب وعلل کو عام قارئین کے لئے واضح کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں ایک مستقل باب رکھا، جس میں فقہی مسالک کے درمیان اختلاف کے اسباب اور وجوہ کو واضح کیا۔

اپنی گفتگو کی ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب، ناچیز کے علم کے مطابق۔امام طحاوی کی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' ہے بعد میں دوسرے اہل علم نے بھی اس طرف توجہ کی اور اس کے اسباب کا کھوج لگایا۔ بحمداللہ متقدمین اور متاخرین کی ان تمام تحریروں کو پڑھا، ان تمام تحریروں سے جو بنیادی نکات اخذ کئے، وہ میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، مقالہ بھی چھپ رہا ہے، وہ بھی ان شاء اللہ بہت جلد بازارِ علم تک پہنچ جائے گا۔اور آپ حضرات اس موضوع پر تفصیلی مباحث اس میں پڑھ سکیں گے۔

اہل علم نے مجتہدین کی اختلافِ آراء کے جو اسباب بیان کیے ہیں اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تعلیم مسائل کی وہ صورتیں نہیں تھی جو آج ہیں۔فقہ، فتاویٰ اور مسائل کی چھوٹی یا بڑی مستقل کتابیں نہیں لکھی جاتی تھیں، جس طرح آج نہ صرف مسائل بلکہ ان کے ارکان، آداب وشرائط اور فضیلت پر الگ الگ رسائل اور کتابیں تالیف ہوتی ہیں۔ اس وقت معاملہ بہت آسان اور سادہ تھا۔ جو حکم نازل ہوتا نبی اکرم ﷺ صحابہؓ کو اس کے کرنے کا حکم دے دیتے یا خود عمل کر کے بتا دیتے۔ وضو کا حکم نازل ہوا، حضرت جبرائیلؑ نے حضور ﷺ کو نماز پڑھ کر بتادی۔ حضور ﷺ نے امت کو نماز کا حکم سنایا اور نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا: ''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھ رہے ہو بس اسی طرح نماز پڑھو''۔ یہ تجزیہ نہیں

Marfat.com

کیا کہ اس کا فلاں جزو شرط ہے، فلاں رکن، فرض اور فلاں مستحب صحابہؓ نے بھی یہ تحقیق نہیں کی کہ نماز کے مختلف اجزاء میں سے کسی جزو کا کیا مرتبہ اور کیا حکم ہے۔ اگر کسی وقت کوئی سوال کرتا تو اسے ناپسند کیا جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ قرآن حکیم کی اس آیت سے دلیل پکڑتے ''لا تسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم تسؤکم '' (اشیاء کے بارے میں (زیادہ) سوال مت کرو۔ اگر تم پر ان کی حقیقت ظاہر ہوگئی تو تمہارے لیے برا ہوگا)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا:

''لا تمنعوا اماء الله مساجد کم '' (اللہ کی بندیوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو) ان کے بیٹے نے کہا: ''حالات کو دیکھتے ہوئے عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے آنا مناسب نہیں سمجھتے''۔ عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث رسول کے مقابلے میں اپنے بیٹے کا یہ فقرہ سنا تو غصے میں تلملا گئے۔ کہنے لگے: ''میں قولِ رسول بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں نہیں آنے دیں گے''۔ اور صرف غصے اور ناراضگی کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ مرتے دم تک بیٹے سے بات نہیں کی۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا: ''وتر واجب ہیں یا سنت؟'' آپؓ نے جواب دیا: میں نے حضور ﷺ کو ہمیشہ پڑھتے دیکھا ہے، اس نے پھر پوچھا۔ آپؓ نے پھر یہی جواب دیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ عمل کرنے والے کو تحقیق و تدقیق میں نہیں پڑنا چاہیے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے اگر کوئی اس طرح سوالات کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

صحابہ کرام جس طرح حضور ﷺ کو عمل کرتے دیکھتے ویسے ہی عمل کر لیتے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو میں ایک ایک عضو کو ایک ایک

Marfat.com

بار دھویا اس نے ویسا ہی کرلیا، دوسرے نے تین تین بار دھوتے دیکھا اس نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اور پھر وہ دوسروں سے بیان بھی ویسے ہی کرتا۔ ایسی صورت میں اختلاف ہونا لازمی امر تھا۔ مثلاً۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ: ایک نابینا صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں گھر میں نماز ادا کرلیا کروں؟ حضور ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی۔ ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ ان نابینا صحابی کا گھر مسجد سے قریب ہے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں فرض نمازیں گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک ہی شخص کے بارے میں دو مختلف روایتیں اور دو مختلف حکم ہیں۔ لیکن تحقیق و تجسس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کے بارے میں حضور ﷺ نے جو دو مختلف حکم فرمائے وہ اس لئے کہ صورت حال بدل گئی تھی۔ جو شخص پورے پس منظر سے واقف نہیں ہوگا، اور اسے صرف ایک روایت کا علم ہوگا وہ اسے اختیار کرے گا، اور جسے دوسری روایت کا علم ہوگا وہ اس پر عمل پیرا ہوجائے گا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں بعض واقعات ایسے ہوتے تھے کہ حضور ﷺ کسی ایک شخص کو کوئی کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیتے تھے، لیکن دوسروں کو وہی کام کرنے سے روک دیتے تھے۔ اس کی وجہ اور حکمت دونوں کے حالات کا مختلف ہونا ہوتا تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا پورا مال جہاد کے لئے نذر کیا، حضور ﷺ نے اسے قبول کرلیا۔ لیکن دوسرے بعض صحابہؓ نے اپنا سارا مال پیش کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: ”کیا میں سفر کی حالت میں روزہ

Marfat.com

رکھ لیا کروں؟'' یہ صحابیؓ بہت صحت مند تھے اور کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ حضورﷺ نے فرمایا: ''اختیار ہے، چاہے تو رکھو اور چاہے تو نہ رکھو''۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: ''سفر کی حالت میں روزہ رکھنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے''۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (م: ۳۲ھ) حضورﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضر (غیر سفر) کی حالت میں روزہ توڑنے والا''۔

روایات کے اختلاف کی بنیادی وجہ، حالات کا اختلاف ہے۔ ایک شخص کے حالات الگ تھے، اسے نبیﷺ نے ایک حکم دیا، دوسرے شخص کے حالات اس سے بالکل مختلف تھے، آپﷺ نے اسے دوسرا حکم دیا، دوسرے یہ کہ ایک مجلس میں ایک بات کہی، دوسری مجلس میں دوسری بات کہی، اس کے سامعین الگ تھے، ہر مجلس کے سامعین نے جو بات سنی وہ دوسروں سے نقل کردی۔

اس صورتِ حال میں فقہاءِ صحابہ، تابعین اور ائمۂ مجتہدین اس امر کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ دونوں طرح کی روایات کا مأخذ اور پس منظر تلاش کریں اور جس روایت اور جس حکم کا جو پس منظر اور بنیادی سبب ہے، اس کو اسی پر محمول کریں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی اکرمﷺ نے کسی خاص شخص کو، کسی خصوصیت کی وجہ سے کوئی خاص حکم دیا، حاضرین مجلس نے اسے عام حکم سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل کردیا۔ جیسے حضورﷺ نے ایک صحابیؓ کا مہر یہ قرار دیا کہ جو چند قرآنی آیات انہیں یاد ہیں وہ اپنی منکوحہ کو یاد کرادیں۔ یہ ایک خاص حکم تھا۔ جو لوگ مجلس میں موجود تھے اور ان کے سامنے اس حکم کا پورا پس منظر تھا، انہوں نے خصوص پر

Marfat.com

محمول کیا اور جن کے سامنے پورا پس منظر نہیں تھا، انہوں نے محض اس واقعہ کی اطلاع پائی، انہوں نے اسے عموم پر محمول کیا۔

۳۔ اختلاف کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کو متعدد لوگوں نے ایک کام کرتے دیکھا۔ دیکھنے والوں میں سب لوگ ایک ہی ذہنی اور فکری سطح کے لوگ نہیں ہوتے تھے۔ کچھ لوگ دانائی اور فقاہت میں کمزور، مگر حافظے میں تیز، جو دیکھا اسے خوب یاد رکھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے اس عمل کو من و عن نقل کیا۔ مگر سیاق وسباق اور پس منظر کے بغیر۔ حضور ﷺ کے سفر حج کے حوالہ سے ایسی بے شمار مثالیں ذخیرۂ حدیث وروایت میں موجود ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا، احرام باندھا تو کسی نے سمجھا کہ آپ قارن ہیں۔ یعنی حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے ہیں۔ کسی نے خیال کیا کہ آپ متمتع ہیں۔ یعنی پہلے عمرہ ادا کریں گے اور پھر حج ادا کریں گے۔

اسی طرح اس بات میں اختلاف ہوا کہ حضور ﷺ نے کس وقت احرام باندھا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا۔ مجمع ایک لاکھ سے زیادہ تھا، ہر شخص حضور ﷺ کو بیک وقت دیکھ نہیں سکتا تھا، جس نے جس وقت پہلی بار احرام کی حالت میں دیکھا اس نے اسی کے مطابق نقل کردیا۔

۴۔ اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں ایسے لفظ استعمال ہوئے جو ایک سے زائد معانی میں یکساں طور پر مستعمل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے کلام میں اس لفظ کے ایک معنی مراد لیے۔ مگر سننے والوں نے دوسرے معنی مراد لے لیئے۔ جیسے وضو کا لفظ۔ اصطلاحی معنی کی رو سے اس وضو کے لئے استعمال ہوتا ہے جو نماز کے لئے کی جاتی ہے۔ لیکن ازروئے لغت صفائی،

Marfat.com

نظافت اور پاکیزگی کی خاطر ہاتھ منہ دھونے کو کہتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا، کھانے میں برکت کا باعث ہے''۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا، کھانے میں برکت کا سبب ہے''۔ اس واقعے اور کلام میں حضرت سلیمانؓ نے بھی اور حضور ﷺ نے بھی وضو سے نظافت کی خاطر ہاتھ دھونا مراد لیا ہے۔ نماز والی وضو ہرگز مراد نہیں ہے۔

۵۔ اختلاف کی ایک وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی کام کی ممانعت فرمائی۔ ہر زبان میں حکم کی علتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض سننے والے اسے قطعی اور حتمی سمجھتے ہیں، بعض کا خیال ہوتا ہے کہ حکم کی تعمیل افضل و بہتر ہے۔ اگر تعمیل کریں گے تو کسی سزا کے مستحق نہیں ہوں گے۔ بعض اسے محض اجازت پر محمول کرتے ہیں۔

اختلاف روایات اور اختلاف آراء کی یہ وہ صورتیں تھیں جو صحابہ کرامؓ کے دور میں پیش آئیں۔ ان کے بعد تابعین کا زمانہ آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہؓ کے مختلف اقوال، اور مختلف توجیہات و تعبیرات کو محفوظ کیا، اور نئے حالات و مسائل کے احکام معلوم کرنے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ دونوں کو اپنا رہبر و پیشوا قرار دیا، اور دونوں کے علم و حکمت سے بھرپور استفادہ کیا۔

ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے دور میں اختلاف موجود تھا، ہر تابعی کو یہ سہولت حاصل نہ تھی کہ تمام صحابہ کے مختلف اقوال و آراء کو جمع کر کے ان میں باہمی تطبیق و ترجیح کی صورت نکالے۔ پھر بھی ان حضرات نے جہاں تک ممکن تھا، صحابہؓ کے

Marfat.com

مختلف اقوال جمع کیے، اور بعض پر بعض کو کسی قوی دلیل اور مضبوط قرینے کی بنا پر ترجیح دی۔ جو اقوال کمزور اور مرجوح نظر آئے انہیں ترک کیا۔ اگر چہ ان میں بعض اقوال ایسے تھے جو جلیل القدر صحابہ کی طرف منسوب تھے۔ مگر علم و تحقیق کی دنیا اور ہے۔ اور عشق و عقیدت کی دنیا بالکل الگ اور مختلف ہے۔ ان حضرات کا کمال احتیاط تھا اور دین کے بارے میں اس کی اشد ضرورت تھی کہ محبت و عقیدت، اور علم و تحقیق کے درمیان حد فاصل کو کبھی مٹنے نہیں دیا۔ عقیدے، حکم اور مسئلہ کی جہاں بات آئی وہاں خوب اچھی طرح چھان پھٹک کی۔ اور کسی قول اور روایت کو قبول کرنے اور رد کرنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔

صحابہؓ کے بعد یہی حضرات مختلف علاقوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لائق تھے، اور بجا طور پر اس بات کے مستحق تھے کہ لوگوں کی دینی، علمی اور فکری رہنمائی کا فریضہ ادا کریں۔ چنانچہ جہاں جہاں یہ حضرات (تابعین) موجود تھے وہاں لوگوں کے مقتدا اور پیشوا بن گئے، ان میں جو زیادہ اہل علم و فضل تھے ان کے پاس دور دراز سے لوگ استفادہ کی غرض سے آتے۔ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث تھیں، صحابہ کی زندگی، ان کے اقوال و آراء اور فتاویٰ تھے، اور ان میں باہمی تطبیق اور ترجیح کی صورتیں اور اصول تھے۔ ان کے علاوہ کچھ نئے حالات و مسائل بھی تھے، جن میں ان حضرات کی مستقل آراء تھیں، اجتہاد و استنباط کے مختلف طریقے، اور مختلف زاویہ ہائے نظر بھی تھے۔ طالبانِ علوم نے ان تمام چیزوں سے استفادہ کیا۔ اور پھر یہ استفادہ کرنے والے اپنے اپنے علاقوں میں بعد میں آنے والوں کے لئے مرکز و مرجع بنے۔

مذکورہ بالا اسباب و وجوہ کے علاوہ اختلاف روایات کی ایک اہم وجہ احادیث کی روایت بالمعنی بھی تھی۔ صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت

Marfat.com

باللفظ کا اہتمام نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے قول کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا۔ ابن سیرین (م:۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ ”میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا، ان میں سے ہر ایک نے اسے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا لیکن معنی ایک تھے“۔ اس بارے میں علمائے فن نے طویل بحثیں کی ہیں کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں؟ لیکن جلال الدین سیوطی نے ائمۂ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اگر روایت کرنے والے میں وہ شرائط پائی جاتی ہوں جو اہل فن نے عائد کی ہیں تو پھر روایت بالمعنی جائز ہے۔

ائمۂ مجتہدین کے مسالک اور آراء کے مختلف ہونے میں حسب ذیل وجوہ کا بھی دخل ہے:

الف: ایک امام کو ایک حدیث ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک قابل اعتماد تھا۔ لیکن دوسرے امام تک کسی ایسے ذریعے سے پہنچی جو اس کے نزدیک معتبر نہ تھا۔ اس نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

ب: پیش آمدہ مسائل اور واقعات کا حل دریافت کرنے کے لئے مختلف اصول وضع کرنا، اور مقررہ اصول کے تحت ان کا حل معلوم کرنا، کسی نے اس کے لئے کوئی اصول وضع کیا، اور کسی نے دوسرے اصول سے کام لیا۔

ج: عرف ورواج کا اختلاف۔ شریعت کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ عرف و رواج کی تبدیلی سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ ائمۂ مجتہدین کی رہائش مختلف علاقوں میں تھی۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے عرف کے مطابق مسائل کا حل دریافت اور معین کیا۔

اس موقعہ پر ایک اور بات قابل غور ہے، اور وہ یہ کہ محدثین اور فقہاء کی نوعیت کار میں فرق ہے۔ اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کو سمجھنے سے مذکورہ بالا

Marfat.com

اختلاف کے بنیادی سبب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہ دونوں گروہ بادی النظر میں ایک دوسرے کے مقابل اور مخالف نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں کے طریق کار میں بہت باریک مگر بنیادی فرق ہے۔ ایک طبقے کی توجہ اور کاوش کا مرکزی نقطہ، فقہ کی ترتیب وتدوین کا کام تھا اور دوسرے کی نظر تدوین حدیث کے کام پر تھی۔ یہیں سے احکام مسائل کی دریافت میں فرق وامتیاز رونما ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کوئی فقیہ ایسا نہیں تھا جو صحیح حدیث کے مستند ذریعے سے اپنے تک پہنچنے کی صورت میں اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دیتا ہو۔ اسی طرح کوئی محدث بھی ایسا نہیں جو حالات وضرورت کی بنا پر مسائل کا حکم دریافت نہ کرے۔ فرق یہ ہے کہ فقیہ اپنے مقررہ اصول وضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش کرے گا اور محدث کسی حدیث کی بنیاد پر اس کا حل بتائے گا۔ محدث کے سامنے ایک حد تک دوسری راہیں مسدود ہیں اس لیے وہ روایتوں کے قبول کرنے میں لازمی طور پر فراخ دل ہوگا۔ لیکن فقیہ کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی ہیں۔ اس لیے وہ کافی چھان پھٹک کے بعد کسی روایت کو قبول کرے گا۔ اس کے علاوہ دونوں کے مزاج اور طبیعت میں بھی فرق اور اختلاف ہے۔ ایک روایت کا دل دادہ، دوسرے پر درایت کا غلبہ، احکام مسائل کی دریافت میں اس فرق کا اثر یقیناً ظاہر ہوگا۔ مثلاً سنت سے احکام کے اخذ واستنباط میں محدث اس کی رعایت نہیں کرے گا۔ کہ فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے یا نہیں۔ اس کے مطابق صحابہؓ کا عمل ثابت ہے یا نہیں؟ حدیث کی موجودگی میں محدث کسی صحابی کے قول، فتوے، رائے اور کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ صرف حدیث کے نہ ملنے کی صورت میں صحابہ کے آثار، اور فتاویٰ کی طرف رجوع کرے گا۔ قول اور

Marfat.com

فتوے کی صورت میں ترجیح کی بنیاد، علم، تقویٰ اور حفظ میں برتری اور شہرت ہوگی۔

اختلاف مجتہدین کے بارے میں عبدالوہاب شعرانی (م:۹۷۳ھ) کا تبصرہ بہت جامع ہے، وہ کہتے ہیں:

''اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہوجائے گی کہ تمام ائمۂ مجتہدین راہِ حق کے مسافر ہیں، اس کی حدود سے کوئی باہر نہیں۔ اُن کے مختلف اقوال اور آراء امت کے لئے رحمت کا باعث ہیں۔

اللہ جل شانہٗ جو علیم وحکیم ہیں، ان کی حکمت اور مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ غیر منصوص احکام میں اختلاف آراء ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ ہوتی تو وہ معمولی سے اختلاف کو بھی ممنوع قرار دے دیتے۔ جس طرح دین کے بنیادی اور اصولی احکام میں اختلاف کو حرام قرار دیا۔

اس حدیث پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے کہ فروعی اور جزئی اختلافات کا معاملہ اصولی اختلاف سے بالکل مختلف ہے۔ انہیں ایک سطح پر نہیں رکھنا چاہیے۔ اس خلط مبحث سے فتنے میں پڑجانے کا اندیشہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے فروعی اختلاف آراء کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے۔

ائمۂ مجتہدین کے اقوال وآراء مشکوٰۃ نبوت سے مأخوذ ہیں، ان کے اقوال وآراء میں فرق یہ ہے کہ کسی ایک امام نے حکم شرعی کے متعلق اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا، اور دوسرے نے رخصت کو ترجیح دی''۔

ائمۂ مجتہدین کے اقوال وآراء میں جو اختلاف ہے، اس پر اگر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کا ہونا ضروری تھا۔ اگر عقائد اور اصولی احکام کی طرح ہر حکم حتمی طور پر اُتارا جاتا، اور ماہرین فن کو اجتہاد واستنباط کی اجازت نہ ہوتی تو یہ امر امت کے لئے تنگی کا باعث بن جاتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ جس دین کو

Marfat.com

قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے، اور اس میں کسی تغیر و تبدل کا نہ امکان ہے اور نہ اجازت۔ اس میں مسائل کی ایک ایسی نوع بھی شامل ہونی چاہیے تھی جس میں اس کے ماننے والے اجتہاد سے کام لے سکیں، اور ان کے لئے اپنی ضرورت اور عرف و عادت کے مطابق دو احکام میں سے کسی ایک حکم کو اختیار کرنے کی اجازت ہو۔ بشرطیکہ وہ قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول وقواعد سے باہر نہ ہو۔

اختلاف ائمہ کی بحث میں ایک اور پہلو بھی ہے، اور وہ یہ کہ جب اجتہاد شرعی چیز ہے، جس میں رائے اور فہم کا دخل ہوتا ہے، اور علمی و ذہنی سطح کے اختلاف کے باعث آراء مختلف ہوسکتی ہیں، اور جب آراء مختلف ہوں گی تو ظاہر ہے کہ ائمہ کا اجتہاد اس سے متاثر ہوگا، اور ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد اجتہادی آراء ہوسکتی ہیں۔ لیکن آراء کے اس اختلاف کو نہ دین کے لئے مضر کہا جائے گا۔ اور نہ اس سے امت میں تفریق وانتشار پیدا ہوگا۔

اختلاف کی صورت علم، علماء اور امت کے لئے ترقی کا بھی باعث ہے، اور عوام وخواص کے لیے رحمت کا سبب بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ترقی، تصادم اور ٹکراؤ کے بغیر نہیں ہوتی۔ بلکہ ترقی نام ہی دو چیزوں کے ٹکرانے کا ہے، علم کی وسعت اور ترقی بھی افکار و آراء کے ٹکراؤ اور تصادم سے وابستہ ہے۔ ایک حکیمانہ مقولہ ہے: دل آدمی کا مردہ ہے، اس کی زندگی علم سے ہے، اور علم انسان کا مردہ ہے، اس کی زندگی بحث ومناظرے سے ہے۔

ظاہر ہے کہ بحث ومناظرہ، علم کو علم سے ٹکرانے ہی کا نام ہے، جس سے علم کے مخفی گوشے نمایاں ہوتے ہیں۔ تکوین الٰہی نے اسی لیے اسلام کے مقابلے میں کفر کی طاقتیں کھڑی کیں تا کہ کفر اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اسلام سے ٹکرائے اور اسلام کے حق وصداقت پر مبنی تمام پہلو روشن ہو جائیں۔

Marfat.com

علم کے مقابلے میں شک، شبہ اور تذبذب کا لشکر اسی لیے صف آراء کیا گیا کہ جہل اپنے جس حصے کو علم کے خلاف استعمال کرتا ہے، علم کے اتنے ہی مخفی گوشے دنیا کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں۔

شریعت نے مشورہ کا حکم اسی لیے دیا ہے کہ مختلف آراء کے تصادم سے معاملے کے اچھے اور برے، تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں، اور بات خوب اچھی طرح چھن چھنا کر بے غبار صورت میں سامنے آجاتی ہے، جب تک اضداد نہ ہوں، اشیاء کی حقیقت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دین میں ایک حصہ اہل فکر و نظر کے اجتہاد و تحقیق اور تصادم آراء کے لیے چھوڑ دیا تا کہ اسلام کا وہ مخفی اور باطنی پہلو بھی نہ صرف عیاں ہو بلکہ بحر بے کراں کی طرح پھیلتا چلا جائے جو وسیع تر اصول و کلیات، اور مخفی اسرار و علل پر مشتمل ہے۔ اور اس طرح خلق خدا امت مسلمہ کے مخصوص اور چیدہ دماغوں اور صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ لوگوں کو اسلامی علوم کی جامعیت اور کتاب و سنت کی ہمہ گیریت کا بھی اندازہ ہو جائے، اور لوگ اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں کہ کتاب و سنت کے مختصر نصوص میں علم کا کتنا بڑا ذخیرہ بھرا ہوا ہے۔

آخر میں ایک اور بات کہتا چلوں، اس پر خصوصی توجہ دیں، وہ یہ کہ: مجتہدین کے اختلاف کی نوعیت پچھلے انبیاء کی مختلف شریعتوں جیسی ہے۔ دین، سارے انبیاء کا ایک ہی رہا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ''لا تبدیل لکلمات اللہ اور ذالك الدین القیم'' کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ لیکن انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف رہا، احکام و مسائل میں تبدیلی ہوتی رہی۔ جو شریعت، جس قوم اور جس علاقے کے لئے بھیجی گئی، وہاں کے حالات کو ملحوظ رکھا گیا، قرآن نے اس کی بھی وضاحت کی: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ لیکن ان میں اختلاف کے باوجود وہ

Marfat.com

سب اللہ کی طرف سے تھیں، اور ان میں دیئے جانے والے احکام، اللہ ہی کے احکام تھے، یہی نوعیت فقہاء کے مختلف مسالک کی ہے، وہ سب قرآن وسنت کے دائرے میں ہیں، اور ان کی حیثیت، قرآن وسنت کے مجمل احکام کی توضیح وتشریح کی ہے۔

تمام فقہاء اور محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ حق چاروں مروجہ فقہی مسالک میں دائر ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں مسلک حق ہے اور فلاں ناحق، شاہ ولی اللہ کا کہنا ہے کہ: اچھا مسلک، اچھا نقطہ نظر یا اچھا مسلمان وہ ہے جو قرآن اور سنتِ رسول کے مطابق یا اس سے اقرب ہے۔

بہت معذرت کے ساتھ آخر میں یہ بات بھی کہتا چلوں کہ ہمارے یہاں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی نے فقہ شافعی کے مطابق نماز ادا کرلی تو نماز نہیں ہوئی۔ مثلاً: اما ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازِ عصر کا وقت ہر چیز کے دو مثل سے شروع ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک مثل سائے سے نمازِ عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی حنفی، امام شافعی کے مسلک کے مطابق ایک مثل سائے پر نماز عصر ادا کرلیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ غلو ہے، اور غلو بھی فی الدین نہیں، فی المسلک، کیا نبی کے علاوہ کسی کے اجتہاد اور مبنی بر قیاس رائے سے کسی عمل کے جائز اور ناجائز ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔؟ مسئلہ جواز اور عدم جواز کا نہیں، اولیٰ اور عدمِ اولیٰ کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے یہ کہا:

اس اختلاف سے امت کے لئے ایک سہولت بہم پہنچتی ہے، وہ یہ کہ ہر ذوق کا آدمی اور طبقہ اپنے ذوق کے امام ومجتہد کی پیروی کرکے تعلیماتِ اسلام پر عمل پیرا ہوسکتا ہے، جس امام کا مسلک اور اصول، جس ماحول اور معاشرے کے لئے زیادہ مفید ہو وہ اُسے اپنا سکتا ہے۔ اس اجتہادی اختلاف نے اسلام کو ایک

Marfat.com

ایسے دریا کی مانند بنادیا جس کا ایک گھاٹ نہ ہو، کئی گھاٹ ہوں، جو راہ رو جس طرف سے گزرے اس سے اپنی پیاس بُجھالے۔ ہر سمت سے گھوم کر ایک ہی طرف آنے کی مجبوری نہ ہو۔ ہر گھاٹ کا پانی یکساں ہے، مزا بھی ایک ہے اور تاثیر بھی ایک۔ صرف رخ بدلا ہوا ہے۔

اس اجتہادی اختلاف کی بدولت ذہین وفطین شخصیتوں کے چھپے ہوئے جوہر کھلے، کتاب وسنت کی بلاغت وجامعیت کے سارے مستور پہلوؤں کا اظہار ہوا، امت کے لئے عملی آسانیاں بہم پہنچ گئیں۔ ذات نبوت میں جو نوع بنوع علوم اللہ جل شانہ نے ودیعت کیے تھے، وہ امت پر آشکارا ہوگئے۔

غرض دین، پیغمبر، اور امت سب کے لئے اجتہادی اختلاف اور فروعی تنوع مفید اور سودمند ثابت ہوا۔ اسی لیے کھلے لفظوں میں اس کی مذمت کی بجائے ستائش کی گئی اور اسے رحمتِ واسعہ کہا گیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

Marfat.com

خوشخبری

تدریب المعلمین کے سلسلہ کا دوسرا پروگرام منعقدہ ۱۲ جون ۲۰۱۰ء کے مقررین اوران کے موضوعات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	مقررین	موضوعات
1	مولانا ڈاکٹر خلیل احمد صاحب تھانوی	تعارف ومقاصد پروگرام اور سابقہ تدریب المعلمین پروگرام کی رپورٹ
2	پروفیسر ڈاکٹر محمود اختر صاحب	طلباء میں تحقیقی صلاحیت پیدا کرنے کے طریقے
3	مولانا زاہد الراشدی صاحب	اسلام اور مغربی نظام تعلیم میں فرق
4	ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب	عصر حاضر میں استاذ کی ذمہ داریاں
5	ڈاکٹر قاری احمد میاں صاحب تھانوی	جامعہ دار العلوم الاسلامیہ میں دینی وعصری تعلیم کا امتزاج
6	قاری محمد حنیف جالندھری صاحب	دینی تعلیم/مدارس اور مستقبل میں درپیش چیلنجز
7	ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب	دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کے فوائد ونقصانات
8	حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی	اختتامی کلمات

Marfat.com

مجموعہ مقالات

تدریب المعلمین

جلد دوم

بہت جلد ہدیہ قارئین ہوگا۔

Marfat.com

فروری 2010ء

مجموعہ مقالات

تدریب المعلمین

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ۔ لاہور

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، فون 5422213 5433049

Marfat.com